فضائل اسلام

(علم الحیات و علم النفس کی روشنی میں)

مؤلفہ

قاری فراز حسین مسلم مشنری

در مطبع محبوب المطابع دہلی طبع گردید

اس کتاب اور قاری صاحب کی جملہ تصانیف کے ملنے کا پتہ

تمدن بک ایجنسی ٹیا محل دہلی

۷۸۶

فضائلِ اسلام

(جدید نقطۂ نظر سے)

(۱)

اس وسیع مضمون پر عربی فارسی تو درکنار اُردو میں ایسی ایسی معقول کتابیں موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے کسی معمولی شخص کا کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانا ہے بھلا کیمیائے سعادت۔ احیاء العلوم۔ حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ کے سامنے کسی کی کیا ہمت پڑ سکتی ہے۔ ہمارے وقت میں خطبات احمدیہ اور سرسید کی نئی روشنی کی جماعت کی بعض تالیفات میں ضرورتِ زمانہ کے اعتبار سے نیا طرزِ استدلال اختیار کیا گیا ہے جس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یورپین حکماء کے وہ مقولے جو اسلام کی تائید میں ہیں اُن کو نقل کیا ہے۔ اس خصوصیت کی نہایت معقول کتاب دو جلدوں میں موسومہ بہ دلائل فضائلِ اسلام مولوی شیخ عبدالرؤف صاحب رئیس امواتیہ کی ہے۔ قدیم وضع کو نیا لباس پہنانے کی کوشش میں مولوی انوار اللہ صاحب مرحوم کی ضخیم کتابیں مقاصد الاسلام کے نام سے۔ مولوی عبدالحق صاحب مرحوم مصنف تفسیرِ حقانی کی نادر کتاب "عقائد الاسلام" اور مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم کی قابلِ قدر کتاب اجتہاد ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات میں یہ امتیاز ہے کہ فلسفہ اور کلام دونوں کو سمو کر اُن سے اثباتِ عقائد کی خدمت لیگئی

ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں انہیں دونوں سے اثباتِ ارکان کی خدمت لی ہے۔ سید صاحب اور اُن کی جماعت نے اسلام کو مطابقِ فطرت ثابت کرنیکی کوشش کی ہے۔ یہ کل کوششیں اپنی اپنی جگہ پر محمود ہیں اور ہمیشہ قدر کی نگاہوں سے دیکھی جائینگی مگر گذشتہ ربع صدی میں جو ممالک متمدنہ یورپ و امریکہ میں جدید علم النفس کی تدوین کے ساتھ ساتھ مذہب کو ایک وسیع زاویہ نگاہ سے دیکھنے اور حق ہونیکے نظریہ سے متجاوز ہو کر مفید ہونیکے نظریہ پر زور دینے کی بنیاد ڈالی گئی ہے اُس نے مسلمانوں کے لئے بھی ایک جدید علم کلام کی ضرورت کو پیدا کر دیا ہے میں نے اپنے رسالہ اَقلِ قلیلِ اسلام میں اس ضرورت کی طرف کسی قدر تفصیل کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔ اب موجودہ مختصر تالیف میں چند مبحث بطور نمونہ کے آخرالذکر نظریوں کی روشنی میں پیش کئے جاتے ہیں اس امید پر کہ اربابِ نظر خصوصاً برادران ہنود جن کے مذاہب کی بنیاد فلسفہ پر ہے ان پر غور فرمائیں اور اسلام کے فضائل کے معترف ہوں تاکہ اگر کچھ غلط فہمیاں ہوں تو رفع ہو کر رشتۂ محبت مضبوط ہو۔

۲۔ پہلے ہم تیمناً و تبرکاً دو محترم بزرگوں کے خیالات ظاہر کرتے ہیں پھر اپنی ناقص معلومات ناظرین کی خدمت میں پیش کریں گے۔ بڑے فخر اور مسرت کی بات ہے کہ ان دو بزرگوں میں سے ایک ہندو ہیں اور ایک مسلمان۔

مشہور فاضل لالہ اجاگرمل صاحب اپنی بیش بہا کتاب مخزن المذاہب کے دیباچہ میں فرماتے ہیں:۔

"یہ کتاب مذہب کی قدامت اور سچے اصولِ مذہبی کو اور نیز اس امر کو کہ سب مذہبوں کا مرکز ایک ہی ہے اور جو خیالات و اعتقادات مذہبی ابتدائے پیدا ہوئے ہیں وہ کسی نہ کسی پیرایہ میں اب تک دنیا کے سب مذہبوں میں موجود ہیں ظاہر کرتی ہے اور

اور مذہب و علم اخلاق کا فرق تبلاتی ہے یعنی یہ کہ علم اخلاق سے آدمی کو اس کے فرائض زندگی معلوم ہوتے ہیں کہ دنیا میں رہکر آدمی کو کس طرح برتاؤ کرنا چاہئے اور علم مذہب نہ صرف دنیاوی نیکی کی تعلیم دیتا ہے بلکہ انسانوں کو آخرت کے عذاب سے بھی بچاتا ہے "

" مولف کے نزدیک مذہب کوئی بھی ہو سب کا اصل اصول انسان کو تکلیفات سے بچانے کا ہے اور وہ کسی خاص شخص یا خاص قوم یا گروہ کے واسطے مخصوص نہیں بلکہ کل بنی نوع انسان کے واسطے ہے اس لئے ہر انسان کو ہر ایک مذہب کی توقیر کرنی چاہیئے "

فاضل اجل جناب عبد السلام خانصاحب اپنی قابل قدر کتاب حقیقۃ المذہب کے شروع میں تہذیب اور مذہب کے تحت میں رقمطراز ہیں " دونوں کا تاریخی زمانہ سات آٹھ ہزار برس کا ثابت ہوتا ہے اور اس کا یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کی تمدنی حالت مذہب کا وجود ہے۔ جب سے انسان نے اپنی حالت کی درستی کی اُسی وقت سے مذہب بھی قائم ہوا۔ تمدنی حالت کا بقار اور قیام حکومت سے ہوا یعنی جب تمدنی حالت قائم ہوئی اس کے بعد ضرورتاً حکومت قائم ہوئی مگر تہذیب اور تمدن میں ایسا بدیہی امتیاز نہیں ہے کہ کسی کو لازمی طریقہ سے مقدم کیا جاوے البتہ ایک چیز ایسی ہے جو ابتدائے قیام تمدن کا باعث ہوئی اور وہ حکومت سے پہلے ہے یعنی اخلاق۔ اور وہی پہلا حاکم تمدن کا متصور ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کی مددگار حکومت ہوئی۔

اخلاق جماعت کے یکجا کرنے کا پہلا آلہ ہے اور یہی مذہب کا بڑا جزو ہے جب عمدہ اخلاق کے انسان پیدا ہوئے۔ اسکے بعد تمدنی سامان پیدا ہونے شروع ہوئے اخلاق کے نیک و بد کی امتیاز مذہب سے ہوئی اور مذہب نے اس پر صداقت کی مہر لگائی اس وقت حکومت کو استحکام ہوا۔ اس لئے مذہب کو تمدن پر ترجیح ہے۔

عام خیال یہ تھا کہ مذہب وحشی اقوام میں نہیں ہے مگر مشنریوں کی تحقیقات سے

یہ ثابت ہوا کہ ضرور انسانوں میں مذہب تھا اور ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ جہاں تک
تحقیقات ہوئی یہ ثابت ہوا کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں مذہب نہ ہو
مذہب انسان کا جزو لاینفک ہے۔

سپنسر ایک بڑا نامی فلسفی ہے اس کی رائے یہ ہے :-

مذہبی خیالات کسی نہ کسی طرح دنیا میں بالعموم پائے جاتے ہیں۔ بالعموم مذہبی خیالات
کا پایا جانا اور ان خیالات کی ترقی اور نشو و نما ہونا اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ ان کی جڑ
گہری ہے سطحی نہیں ہے۔ جبکہ مذہبی خیالات بالمرہ عادتاً تمام مخلوق میں پائے جاتے
ہیں اور کبھی کبھی ان اقوام میں پیدا ہو جاتے ہیں جن میں یہ خیالات نہیں ہیں تو اسکو انسان
کی خواہش نفسانی قرار دینا واجب ہے اور ہم کو عقلاً اس سے چشم پوشی نہ کرنا چاہیئے۔

ان رایوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مذہب انسان میں عام طور سے پایا جاتا ہے اور
کوئی متنفس ان خیالات سے خالی نہیں اور مذہبی خیالات داخل طبیعت انسان ہیں۔ یہ
گمان نہیں ہو سکتا کہ یہ خیالات مصنوعی پیروں کی ایجاد ہیں۔

چونکہ تمام دنیا کی اقوام میں مختلف ڈھنگ سے پائے جاتے ہیں تو پیروں کی
مصنوعی ایجاد یہ کبھی خیال نہیں ہو سکتے یہ بھی قیاس نہیں ہو سکتا کہ یہ خیالات تقلیدی
ایک قوم سے دوسری قوم میں منتقل ہوتے رہے ہیں۔ تقلید خیالی امور میں جب تک
نتیجہ اس کا مترتب نہ ہو قیاس نہیں ہو سکتی۔ اگر کسی نتیجہ سے یہ تقلید ہوئی ہے تو
مذہب کے وجود یا اصلیت میں فرق نہیں آ سکتا۔

بحث ما سبق اور حال سے دو امر ثابت ہوتے ہیں ایک یہ کہ مذہب کا وجود
اس وقت سے ثابت ہے جب سے انسان کا تاریخی حال معلوم ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ تمام دنیا کی اقوام میں اسوقت سے ابتک برابر جاری ہے اور
محققین علم الانسان کی یہ رائے ہے کہ مذہب جزو انسان اور اسکی فطرت ہے۔

۳۔ اقتباسات مذکورہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب انسان کی فطرت ہے اور نہ صرف دنیاوی نیکی کی تعلیم دیتا ہے بلکہ آخرت کے عذاب سے بھی بچاتا ہے۔

بنا بر آں ہر وہ مذہب ابر رحمت ہے جو عذاب آخرت سے بچانے کے ساتھ ہم انسان کو فرائض زندگی کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ آخری نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تنہا تہذیب و تمدن بلا آمیزش مذہب کے انسان کی پوری زندگی (یعنی قبل از موت اور بعد الموت) کی رہبری کے لئے کافی نہیں۔ خواہ صحیح ہو یا نہ مذہب خسر الدنیا والآخرۃ سے بچانے کا ذریعہ ہے اور وہ اختیاری اور عارضی نہیں ہے بلکہ لازمی اور مستقل ہے اس کے بعد صرف یہ دریافت کرنا باقی رہتا ہے کہ مذہب میں کیا کیا تعلیمات شامل ہونی چاہییں اور آیا ہر ملک اور ہر زمانہ کے موافق علیحدہ مذہب ہونا چاہیے یا ایک مذہب ہو مگر اس میں اتنی لچک موجود ہو کہ ہر ملک اور ہر زمانہ کے موافق اس میں مناسب ترمیم ہو سکے۔ اس اہم سوال کے جواب دینے کے دو طریقے ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ دنیا کے ہر بڑے مذہب کو لو اور یہ دیکھو کہ وہ کس کس زمانہ اور کس کس ملک کے لئے کافی تھا اور موجودہ زمانہ میں بھی کافی ہے یا نہیں۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کی ترقیوں اور ضرورتوں کی روشنی میں تنقیح کرو کہ اگر پہلے پہل آج دنیا مذہب بناتی تو اس میں کیا کیا تعلیمات رکھتی اور ہر ملک کے لئے ایک علیحدہ مذہب بناتی یا ساری دنیا کے لئے ایک "لچکدار" ہر ملک میں رائج ہونے کے قابل مذہب بناتی۔ پھر اس جدید ترازو میں مشہور مذاہب عالم کو تولنا شروع کرو۔ دونوں کام نہایت مشکل اور دشوار ہیں جن کی وجوہ قریب قریب حسب ذیل ہیں۔

(۱) ہر مذہب کا دعویٰ ہے کہ میں منجانب اللہ ہوں اور میرے بانی خاص ربانی امداد یا امتیاز و اختیار رکھتے تھے۔

(۲) صرف میری ہی تعلیم پر چلنے سے نجات ہوگی۔

(۳) پچھلی قوموں کا بالکل صحیح اور مکمّل علم نہیں ہے پھر صحیح طور پر کیونکر معلوم ہو کہ کون مذہب کس قوم کے لیئے موزوں تھا۔

(۴) موجودہ مادّی ترقّیات کے زمانہ کی ترازو صحیح ترازو نہیں قرار دیجا سکتی۔ بالکل ممکن ہے کہ آئندہ وہ بیکار ہو جائے۔

۴۔ ان مشکل صورتِ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اور یہ دیکھ کر کہ دنیا کی عملی زندگی کا رُخ بجائے لامرکزیّت کے یک مرکزیّت کی طرف ہے اور بڑھتا جاتا ہے۔ غالباً یہ نتیجہ نکالنا قرینِ صحت ہوگا کہ ساری دنیا کے لئے ایک جیّد مذہب کا ہونا اور اس میں یہ صلاحیت ہونی کہ ہر قوم اور ہر ملک کے لئے کافی ہو سکے فطرتِ انسانی کے اہم تقاضے کو پورا کرتا ہے۔ اس روشنی میں ہم دنیا کے سب سے آخری بڑے مذہب اسلام کی جانچ پڑتال کرنا چاہتے ہیں کہ آیا اس میں ساری دنیا اور ہمہ وقت کے لئے ہونے اور خسر الدنیا و الآخرہ سے بچانے کی استعداد موجود ہے یا نہیں

اصولاً اسلام کی تعلیم ان پانچ عنوانوں پر منقسم معلوم ہوتی ہے:۔

(۱) ایک بالاتر ہستی سے تعلق پیدا کرنے کی فطری بھوک کے لئے غذا بہم پہونچانا۔

(۲) دنیا میں تندرستی۔ خوشی۔ امن اور میل جول سے رہنا سکھانا یعنی عمدہ خصائل اور عمدہ تمدّن کی تعلیم دینا۔

(۳) دنیا کو بہتر اور مفید تر بنانے کا شوق پیدا کرنا اور اس مقدس کام کو بوجہ احسن انجام دینے کے لئے محنت۔ خدمتِ خلق اللہ اور ایثار نفس کا سبق دینا۔

(۴) دنیا کی ناگزیر کشمکشوں میں مردانہ وار اور بہادرانہ گذرنا سکھانا۔

(۵) حیاتِ بعد الموت کے واسطے کافی طور پر تیار کرنا۔

۵۔ سب سے پہلے ہم مسلمانوں کو یہ بات بطور اصول موضوعہ کے ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ آج کل جو ہندوستان میں اسلام رائج ہے اس میں عجمی اور ہندی تصرفات کی وجہ سے

بہت کچھ حشو و زوائد شامل ہو گئے ہیں اور راقم الحروف کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ اس مخلوط رواجی اسلام کو بہ تمام و کمال برکات اور خوبیوں کا سرچشمہ ثابت کیا جائے۔ بلکہ برعکس اسکے اس کا عقیدہ یہ ہے کہ خالص اور صرف خالص اسلام ہی ان برکات اور خوبیوں کا سرچشمہ ہو سکتا ہے اور ایسے ہی اسلام پر خود مسلمان بھی چلیں اور ایسے ہی اسلام کو اوروں کے سامنے بھی پیش کریں۔ اب تک ہم مسلمانوں میں موجودہ مخلوط رواجی اسلام پر تنقید کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ مثلاً سب سے بڑے مذہب یعنی سنت والجماعت کا یہ اصول ہے کہ قرآن۔ حدیث۔ آثار صحابہ اور قیاس مجتہد کی پیروی کی جائے اور یہ سب ملکر اصل دین قرار پا گئے ہیں۔ اس میں صحت کا معیار اصول بدعت کو قرار دیا ہے۔ یعنی جو امور اس ترازو میں پورے نہیں تلتے وہ بدعات کے نام سے منسوب ہوتے ہیں اور ان سے اجتناب لازم آتا ہے۔ اجتہاد مجتہد کی پیروی نے شخصی تقلید کی بنیاد ڈالی اور یہ شخصی تقلید مشرب صوفیا میں تو اس درجہ پہونچگئی کہ بہت سی کھلی ہوئی منہیات اور بدعات کو خدا رسول سے محبت بڑھانے کا ذریعہ قرار دیکر شیر مادر بنا لیا اور معترض کو اکثر یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ہمارے پیران عظام ایسا ہی کرتے تھے۔ جو فرقہ تقلید کو اسلام کے لئے مضر سمجھتا ہے وہ حدیث کو نمایاں جگہ دیتا ہے۔ فرقہ قرآنیہ حدیث کو بھی بالائے طاق رکھتا ہے۔ اس انتشار نے اسلام کے منور چہرہ کو فرقہ بندی کے پردے میں چھپا دیا ہے۔ ہونا یہ چاہئے تھا کہ قرآن کو قرآن کی جگہ سمجھو۔ حدیث کو حدیث کی جگہ سمجھو۔ وقس علی ہذا شخصی تقلید بیش بہا ایں نیست کہ عوام کو جبریہ ایک ڈگر پر چلائے اور بعض ملکی و سیاسی اغراض کے لئے مفید ہو مگر قابل غور صرف یہ امر ہے کہ کیا اصلی اسلام کا بھی یہی منشا ہے۔ تقلید و غیر تقلید یا بدعات و منہیات کا جھگڑا تو ہم چھیڑنا نہیں چاہتے مگر یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اس تمہید میں جن باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان کا خیال کرکے یہ باتیں سودمند

نہیں ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے لیے اور ضمناً غیر مسلم اقوام کی ہدایت کے لئے تو حسبِ ذیل حدود مقرر کرنے مفید معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) اسلام کو قبول کرنے یا اُسے اوروں کے سامنے پیش کرنے میں قطعاً ملحوظ رکھنا چاہئے کہ کسی خلاف فطرت یا خلافِ تہذیب و تمدن بات کو اصلِ اسلام قرار نہ دیا جائے۔

(۲) فرائض زندگی کو پورا کرنے کی ہدایات کو کامل اہمیت دیجائے۔

(۳) عذابِ آخرت سے بچنے کو معمولی سی بات سمجھ کر پس پشت نہ ڈالدیا جائے بلکہ اس کو نہایت اہم سمجھنا چاہئے۔

(۴) دوسرے مذہبوں کا پورا احترام کیا جائے۔

(۵) ہمیشہ یہ خیال سامنے رکھنا چاہئے کہ اسلام خدا کا آخری مذہب ہے۔ ساری دنیا کے لئے ہے اور تاقیام قیامت نافذ و جاری رہنے کے لئے ہے اور اس میں ایسی سختی اور غیر لچکداری نہیں ہے کہ فروعات میں مختلف ملکوں اور مختلف زمانوں کی ضرورتوں کے حساب سے اِن میں مناسب ترمیم ہو سکے۔

(۶) نیز یہ کہ ان عقائد کو ثابت کرنے کے لئے اصولاً اور حقیقتاً قرآن پاک سے تمسک اختیار کرنا چاہئے اور فروعاً اور تفصیلاً حدیث۔ آثار صحابہ اور اجتہاد سے مدد لینی چاہئے۔ ہر چند عامۂ مقلدین کا یہ خیال ہے کہ قرآن شریف اور حدیث شریف کی باریکیاں ہماری سمجھ سے باہر ہیں اس لئے ہمارے لئے فقہ ناقابل استغنا ہے جیسا نواب فضیلت جنگ مولوی انوار اللہ صاحب مرحوم اپنی کتاب حقیقۃ الفقہ کے دیباچہ میں فرماتے ہیں:۔

"ہر ایک کام کے طریقے جو مسلمانوں کو بتلائے گئے۔ قرآن و حدیث میں سب مذکور ہیں مگر چونکہ مختلف اسباب سے قرآن و حدیث کو سمجھ کر عمل لانے میں دشواریاں

واقع ہوگئی ہیں جس کا حال انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ معلوم ہوگا اس وجہ سے ہر شخص
میں صلاحیت نہیں کہ خود قرآن و حدیث سے وہ نکال سکے اس لئے علما شکر اللہ سعیہم
نے یہ کام اپنے ذمہ لیا کہ مختلف آیات واحادیث واقوال صحابہ وغیرہم سے تحقیق کرکے
ہر ایک مسئلہ مختصر الفاظ میں بیان کردیا کہ اس میں یہ کرنا چاہئے۔

چنانچہ ایک مدت کی کوشش میں انہوں نے ہر ایک جزئی مسئلہ کا حکم قرآن و حدیث
سے نکالکر ایک علم ہی مستقل مدوّن کردیا جس کا نام فقہ ہے۔ یہ ہے حقیقتِ فقہ۔

تفصیل اس اجمال کی کئی امور سے متعلق ہے جن کا مختصر حال یہاں لکھا جاتا
ہے۔ اگر غور سے ملاحظہ فرمایا جاوے تو بشرطِ انصاف معلوم ہوجائیگا کہ فقہاء
نے جو کام کیا کس قدر ضروری تھا اور ان کی جانفشانیاں کس درجہ قابلِ قدر ہیں۔

یہ امر پوشیدہ نہیں کہ قرآن شریف فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ درجہ میں
واقع ہے جس کو مخالفین نے بھی تسلیم کرلیا ہے کیونکہ جب دعویٰ سے کہا گیا۔
فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداء کم من دون اللہ ان کنتم صادقین ؕ تو کسی سے
اتنا بھی نہو سکا کہ ایک دو سطر لکھ کر پیش کرے جو فصاحت و بلاغت میں قرآن کا
جواب ہوسکے۔ اس سے بلاغت قرآن کا معجز ہونا بداہۃً ثابت ہے اور کلام بلیغ
کا خاصہ ہے کہ باوجود عام فہم ہونے کے اکثر مضامین اس میں ایسے بھی ہوں کہ خاص
خاص لوگ بھی اس پر مطلع ہوسکیں۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ الکنایۃ ابلغ من التصریح
کنایہ کے ابلغ ہونے کی کوئی وجہ سوائے اس کے نہیں کہ اس کا پورا پورا مضمون
سمجھنا خاص لوگوں کا ہی حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نکتہ رس اور سخن شناس بزرگوں نے
غور و فکر کرکے ایک آیت کے کئی کئی معنی بیان کئے جن کا سمجھ لینا بھی ہر کسی کا کام
نہیں۔ پھر جس طرح عبارت قرآن سے مسائل سمجھے جاتے ہیں دلالت اور اشارت
اور اقتضاء سے بھی سمجھے جاتے ہیں اور اس کے سوا نظم اور معانی سے اتنے مباحث

متعلق ہیں کہ ان کے بیان میں خاص ایک فن اصول فقہ مدوّن ہوگیا ہے۔ غرض ہر کسی کا کام نہ تھا کہ ان مباحث پر مطلع ہوکر قرآن سے مسائل نکالتا۔

پھر قرآن شریف میں ناسخ و منسوخ آیتیں بھی ہیں اور ہر ایک آیت کی تاریخ نزول نہیں لکھی گئی جس سے ناسخ آیتیں جو واجب العمل ہیں معلوم ہوجاویں اور جو اقوال وارد ہیں متواتر نہ ہونیکی وجہ سے قطعی الثبوت نہیں بہرحال ناسخ آیتوں کا معین کرنا قرائن حالیہ و مقالیہ سے متعلق ہے جس کے لئے اعلیٰ درجہ کا فہم درکار ہے۔ پھر اس قسم کی دقتیں احادیث کے سمجھنے میں بھی پیش آئیں اور علاوہ اس کے احادیث میں بہت کچھ اختلاف بھی پیدا ہوگیا ہے اسوجہ سے کہ صحابہؓ وقتاً فوقتاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے رخصت ہوکر اپنے قبائل کو اور جہاد وغیرہ کے لئے جایا کرتے تھے اور جو حضرات مدینہ منورہ میں رہتے تھے وہ بھی ہر وقت حاضر خدمت نہیں رہ سکتے تھے غرضیکہ غیر حاضری کے زمانہ میں سب ارشادات ان کو نہیں معلوم ہوئے اور جو کچھ دیکھا اور سنا تھا اس کا بیان کردینا بھی انکو ضرور تھا۔ اسوجہ سے ہر قسم کی احادیث مخلوط ہوگئیں اور ہر مسئلہ میں مابعد کے اقوال و افعال ممتاز نہو سکے جو ناسخ سمجھے جاتے کیونکہ جسطرح قرآن میں ناسخ و منسوخ ہیں احادیث میں بھی ہیں جن کا قرائن سے معین کرنا ہر کسی کا کام نہیں۔ پھر قرآن و حدیث میں جس طرح الفاظ معانی موضوع لہ میں مستعمل ہیں غیر معانی موضوع لہ میں بھی مستعمل ہیں اور یہہ معلوم کرنا بھی ہر کسی کا کام نہیں کہ کونسا لفظ حقیقی معنی میں مستعمل ہے اور کونسا مجازی معنی میں پھر مقصود شارع یہہ ہے کہ ہر کلام کے سمجھنے میں قرآن سے مدد لیجاوے گو الفاظ مساعدت نہ کریں۔ معنی سمجھنے میں قرائن سے مدد لینے کی سخت ضرورت ہے اور ظاہر الفاظ سے جو مضمون سمجھا جاتا ہے ہمیشہ وہی مقصود نہیں ہوا کرتا اس لئے قرآن و حدیث کا پورا پورا مطلب سمجھنا ہر کسی کا کام نہیں۔

پھر چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اوتیت جوامع الکلم" اس سے ظاہر ہے

کہ قرآن وحدیث کی عبارتوں میں کئی پہلو ہوا کرتے ہیں جن سے مسائل کا استنباط مختلف طور پہ ہو سکتا ہے ان کا معلوم کرنا بھی ہر کسی کا کام نہیں۔

پھر اکثر احکام میں علتیں ملحوظ ہوا کرتی ہیں جن سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ جہاں وہ علت پائی جاوے قیاس سے وہ حکم ثابت کیا جائے اور علت کا تعین کرنا نہایت مشکل ہے۔"

(۲)

اسلام ساری دنیا کے لئے ہے اور قیامت تک کے لئے کافی ہے۔ اور خسر الدنیا والآخرہ سے بچاتا ہے۔ اس دعوے کی تصدیق کے لئے ہم صرف ایک جید ثبوت پیش کرتے ہیں وہ ثبوت اسلام کا عقیدہ توحید باری تعالیٰ ہے نظر غور سے دیکھا جائے تو باقی سارے عقیدے اسی اصل کے فروعات ہیں۔ ذیل کے نقشہ سے ہم دکھاتے ہیں کہ کس طرح اسلام کا ساری دنیا کے لئے ہونا۔ تا قیامت بلا شرکت غیرے کافی و وافی ہونا اور دنیا اور آخرت کے خسارہ سے بچانا توحید کامل کے ذریعے ثابت ہوتا ہے۔ مثل اور بیشمار حقائق زندگی کے توحید کے بھی مدارج ہیں اور ہر درجہ کے لوازمات اور نتائج ہیں۔ ان مدارج۔ لوازمات اور نتائج کے ارتقائی احساس و ادراک سے اسلام کے مندرجہ بالا دعاوی کا ثبوت ملجاتا ہے۔

نمبر	مدارج توحید	ہر درجہ کے لوازمات	ہر درجہ کے اہم نتائج
۱	ابتدائی درجہ یعنی اقرار باللسان و تصدیق بالقلب کے ساتھ خدا کو وحدہٗ لاشریک ماننا۔ اور صرف اُسکی ذات کو ازلی و	(۱) انسان خدا سے تعلق رکھتا ہے۔ (۲) وہ تعلق کم و بیش سب انسانوں میں مشترک ہے۔	(۱) سارے انسانوں سے ملکر مشترک اور بہترین راستہ خدا کے تعلق کا تلاش کرنا۔ (۲) خدا کی دنیا میں رہنے

نمبر شمار	مدارج توحید	ہر درجہ کے لوازمات	ہر درجہ کے اہم نتائج
	ابدی۔ خالق ہر شئے۔ قادر مطلق ہر خوبی کا منبع و ماخذ۔ ہر ذی حیات کا آخری مرجع وغیرہ وغیرہ تسلیم کرنا۔	(۳) وجود کائنات اور اسکے لوازمات حادث اور فانی ہونیکی وجہ سے انسان کو اس تعلق سے مستغنی نہیں کر سکتے۔	کے انجام کی قدر کرنا اور کائنات کی ترقی اور حیاتِ انسانی کے ارتقاء میں مدد دینا۔
۲	اوسط درجہ۔ اُس ذاتِ مطلق کی فرمانبرداری کرنا	جو باتیں خدا کی خوشنودی کی معلوم ہوں اُنھیں فرمانبرداری کے ساتھ انجام دینا۔	ساری دنیا کے ساتھ ہمدردی کا پیدا ہوجانا۔ اس احساس کی وجہ سے کہ ہم سب اسی کے مطیع و منقاد ہیں۔
۳	اعلیٰ درجہ۔ اُس سے محبت کرنا	خدا کی خوشنودی کے کام اپنے کام سمجھ کر محبت اور ایثارِ نفس کے ساتھ انجام دینا۔ بقول شاعر ؎ دل کو دیتا ہوں الہیٰ منت کوئی جانے سوال کرتا ہے	ساری دنیا کی محبت ہوجانا۔ اس فطری احساس کیوجہ سے کہ مصنوع کی محبت میں صانع کی محبت ہے۔ قومی نسلی اور مذہبی امتیازات کا زائل ہوجانا اور انسان کا صرف انسانیت کیلئے رہجانا۔

چونکہ یہ لوازمات و نتائج توحید اور صرف توحید سے لازمی طور پر پیدا ہوتے ہیں اس لیے
جس جس درجہ میں جسقدر کمی رہ جائیگی اسی قدر اس انسان کی، اس قوم اس ملک اور اس دنیا
کی "انسانیت" ناقص رہجائیگی جس کا خسارہ یہاں بھی بھگتنا پڑیگا اور وہاں بھی۔ مثلاً
درجہ (۱) کی توحید کے ناقصین دنیا سے زیادہ دل لگائینگے۔ دیگر انسانوں سے اشتراکِ
عمل پیدا کرنیکی صلاحیت ان میں مفقود ہو جائیگی اور ان کے سامنے صرف انفرادی
قومی۔ نسلی یا مذہبی کمپٹیشن (Competition) بازی جیتنے کی دوڑ)
کا نظریہ رہجائیگا۔ وہ ضرور دنیا میں فساد کرینگے۔ کمزوروں کو پامال کرینگے
اور کوس لمن الملک بجانے کی کوشش میں اپنی زندگیاں خراب کر دینگے۔
درجہ (۲) کی توحید کے ناقصین۔ عقل اور خود پرستی میں منہمک ہونگے۔ دوسرے انسانوں سے
ہمدردی کرنیکی صلاحیت ان میں سے سلب ہو جائیگی۔ ان کی ذہنیت فرمانبرداری
کے نظریہ کو استکبار کیساتھ ترک کرکے فرعونیت کی طرف قدم بڑھائیگی۔
درجہ (۳) کی توحید کے ناقصین اپنے ذہنوں کو عددیتوں کا مخزن بنائینگے ان کے
کام پالیسی اور خود غرضی سے آلودہ ہونگے اور وہ کمزور انسانوں کو ایک
پیچ سمجھ کر گوشت و خون اور طاقت کے ذریعہ سے ان کے آزاد وجود سے اپنے
آپ کا پیٹ بھرنے کی کوشش کرینگے اور سمجھینگے ہم دنیا و الآخرہ کا توشہ جمع کریں گے
اس تشریح سے انسانوں کی تقسیم کافر۔ مشرک اور مومن سے متجاوز ہو کر علی قدر
مراتب خارج التوحید۔ ناقص التوحید اور کامل التوحید قرار پائیگی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ
جس قدر توحید ناقص ہوگی اسی قدر انسانیت ناقص ہوگی۔ لہذا اسی قدر
نجات دنیوی اور نجات اخروی ناقص ہوگی اور جس قدر توحید کامل ہوگی اسی
قدر انسانیت کامل ہوگی اور اسی قدر نجات دنیوی اور نجات اُخروی کامل
ہوگی۔ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ۔

۲- اسلامی الٰہیات میں توحید باری تعالیٰ کے بارے میں نہایت قابلِ قدر موشگافیاں کی گئی ہیں اور توحیدِ کامل کو نجاتِ کاملہ کا ذریعہ قرار دیکر اس کے اقسام مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے معین کئے گئے ہیں۔ مثلاً توحیدِ ذاتی۔ توحیدِ صفاتی اور توحیدِ افعالی وغیرہ۔ یا علم الیقین۔ عین الیقین اور حق الیقین کے مدارج مقرر کئے گئے ہیں۔ ان تعلیمات کا منبع و مخزن قرآن شریف ہے جس میں جا بجا توحید کی ضرورت بندوں میں توحید کے مدارج طے کرنے کی استعداد اور کامل توحید سے نجات کے حاصل ہونیکے متعلق ذکر موجود ہے۔ حقیقتاً اور اصولاً اسلام صرف توحیدِ باریتعالیٰ سکھانے کے واسطے آیا ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہئے تھا کیونکہ توحید ہی ایسا فطری اور اعلیٰ تخیل کا مسئلہ ہے جس پر عبور حاصل کرنے سے انسان صحیح معنوں میں انسانیت حاصل کرسکتا ہے اور یہی وہ سبق ہے جس کے سیکھنے سے جب تک دنیا اور انسان قائم ہے انسان ہر ملک کے لئے انسانیت کا نظام قائم کرسکتا ہے۔ توحیدِ اسلامی کی روشنی میں ہم ذیل کے سوالات و جوابات سے اس دعوے کی تصدیق کرتے ہیں۔

نمبر شمار	سوالات	جوابات
۱	یہ کائنات کیا ہے۔ کس کی ہے کیوں ہے۔ کبتک رہے گی انجام کار کیا ہوگا؟	نیست سے ہست کیگئی ہے۔ خدا کی ہے۔ اُسنے اپنے ظہور صفات کے لئے اسے بنایا ہے جبتک خدا چاہیگا رہیگی اور جب وہ چاہیگا فنا ہوکر صرف اسی کی ذات رہجائیگی۔
۲	انسان اس میں کیا حیثیت اور درجہ رکھتا ہے۔ اسکی موت زندگی	اشرف المخلوقات ہے۔ خدا کو پہچاننے اور دنیا کو صحیح طور پر برتنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

جوابات	سوالات	نمبر شمار
موت زندگی وغیرہ اس لئے بنائی گئی ہے کہ انسان ان کے تھپیڑوں سے ٹھیک ہو کر نیک بنے اور اپنے لئے اور ساری دنیا کے لئے مفید ثابت ہو۔	نفع نقصان۔ تندرستی وغیرہ ازدلو کیا ہیں اور کیوں ہیں؟	.
خدا کے سامنے جانا ہوگا اور ساری دنیا کے روبرو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا ؎ ہائے دنیا تو کہاں وہ پردہ پوشی اب کہاں عرصۂ محشر میں رسوائی سی رسوائی ہوئی	موت کے بعد انسان کو کیا پیش آئیگا؟	۳
ایسی کہ دنیا اور آخرت دونوں میں سرخروئی حاصل ہو ؎ گرہ مشکل کی پڑ جائے کہیں ناخن ترا کھولے تو ہر اک درد میں شامل ہو ہر آواز میں بولے	زندگی کیسی بسر کرنی چاہیئے؟	۴

۳۔ اگر اسلام صرف توحید کامل بتانے کو دنیا میں آیا ہے اور اگر توحید ہی تکمیل انسانیت کے لئے کافی ہے تو یہ جو باقی اور سب کچھ ہے اور جس کل مجموعہ کا نام مذہب اسلام ہے یہ کیا ہے اور کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے:-

اگر خدا ہے اور دنیا و ما فیہا اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور تکمیل انسانیت کے لئے خدا کو پہچاننا ضروری ہے تو اس کام کو پورا کرنے کے لئے حسب ذیل طریقوں میں سے کوئی ایک یا دو یا سب اختیار کرنے لازم آتے۔

(۱) خدا بہ نفس نفیس بندوں کو تعلیم دیتا۔

(۱) خواہ بندوں میں حلول کرکے

(۲) خواہ کسی بندہ سے اشتراکِ ذات کرکے اور اُسے بیٹا۔ بھائی وغیرہ بنا کے

(ب) انسان کے سفیہ اور عقل میں اس قدر ارتقائی استعداد ہوتی کہ بغیر تعلیم الٰہی کے انسان خود خدا کو پہچان لیتا۔

(ج) خدا وقتاً فوقتاً اپنے برگزیدہ بندوں پر اپنی مرضی اور احکام ظاہر کرتا اور بندوں پر ان بزرگوں کی فرمانبرداری اور ان کے احکام کی تعمیل لازم کر دیتا۔

اصولاً مذہب اہل ہنود نے (باستثنار بودھ مذہب اور جین مت کے) اور مذہب عیسویت نے نمبر (ا) کا راستہ اختیار کیا۔ بودھ مذہب اور جین مت نے نمبر (ب) سے تمسک اختیار کیا اور موسوی۔ پارسی اور اسلامی مذاہب نے نمبر (ج) کو اختیار کیا۔ لہٰذا مذہب اسلام نے جو دنیا کے بڑے مذاہب میں سب سے آخری مذہب ہے اس برگزیدہ بندے کو جس نے توحید کامل سکھائی۔ خاتم المرسلین کا خطاب عطا فرمایا اور اس مجموعہ تعلیم و ہدایات کو جسے اس برگزیدہ بندے نے منجانب اللہ بتایا۔ قرآن شریف کے نام سے منسوب کیا۔ لہٰذا توحید کامل سیکھنے کے یہی دو ذریعے اسلام نے مقرر کئے۔ رسولؐ اور قرآن۔ یعنی قرآن میں توحید کامل سیکھنے کے ابتدائی اور انتہائی کُل قواعد موجود ہیں اور رسولؐ نے اپنی عملی زندگی میں ان کو پورا کر کے دکھا دیا۔

جو کچھ قرآن نے بتایا اور جو کچھ رسولؐ نے کر کے دکھایا وہی ضروری ہے۔ باقی اگر کچھ اور ہو تو وہ اختیاری ہوگا (میں نے اپنے رسالہ اقلِ قلیلِ اسلام میں اس مضمون پر کسی قدر وضاحت کے ساتھ بحث کی ہے)۔

۴۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ (جس کا

سینہ اللہ نے اسلام کی طرف کھولدیا وہ اپنے رب کے نور ہدایت پر ہے)
کے انعام نے مسلم میں مدارج توحید کو طے کرنے کی استعداد پیدا کر دی ہے۔ اب
چند عالمگیر اصول اور عملی ہدایات اس کو اور سکھائے جاتے ہیں کہ اس کی تدریجی
ترقی یقینی ہو جائے۔ مثلاً

(۱) بعض ایسے حقائق کا اعتراف کرنا جو عام انسانی قیاس سے وراء الورا
ہیں جیسے قیامت۔ ملائکہ وغیرہ۔ چونکہ توحیدِ باری تعالیٰ صرف مشاہدات پر
منتہی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے اہم ترین پہلو ماورائے محسوسات کے عوالم سے
تعلق رکھتے ہیں اس لئے یہ عقائد جو اپنی حقیقتِ نفس الامری میں اسی قبیل سے
ہیں۔ مدارج توحید طے کرنے میں ممد ہی نہیں بلکہ ناگزیر ہیں۔

(۲) عبادات اور اخلاقی تعلیم سب مذہبوں میں ہے۔ اسلام بھی ہے۔ مگر
نہایت سہل۔

(۳) بقائے نسل اور سوسائٹی کی بہبود کا خیال چونکہ اہم درجہ کا فطری
ہے۔ اس لئے نکاح۔ بیاہ۔ بیع شرا۔ میل جول وغیرہ کے قواعد نہایت خوبی
کے ساتھ مرتب کئے گئے ہیں

ان سب کے ذریعہ سے ایک اوسط درجہ کے انسان کو ایسی اوسط زندگی
بتائی جاتی ہے جس سے وہ اپنے لئے بھی مفید ہو اوروں کے لئے بھی مفید ہو
اور تکمیلِ توحید کی شاہراہ پر برابر گامزن ہوتا رہے۔ بڑی مفید اور دلچسپ
بحث ہے کہ اسلام نے بھی نمبر (ا) و (ب) مندرجہ فقرہ ۳ کا راستہ کیوں
نہ اختیار کیا اور کیوں نمبر (ج) کا اختیار کیا۔ مگر اس بحث کو ہم اسلئے نظرانداز
کرتے ہیں کہ اس میں دیگر مذاہب پر نکتہ چینی ہو جانیکا احتمال ہے اور ہمیں اپنے
منڈن میں دوسرونکا کھنڈن منظور نہیں ہے۔ البتہ مشہور سوامی دیویکانند آنجہانی

کے چند فقرے توحیدِ اسلامی کی فضیلت پر نقل کرنے یہاں کافی سمجھتے ہیں۔ یہہ فقرے موصوف کے خط مورخہ ۱۰ ار نومبر ۱۸۹۸ء بنام راقم الحروف بزبان انگریزی سے ترجمہ اور اقتباس کیئے گئے ہیں۔

"خواہ اس کا نام ویدانت رکھو یا کچھہ اور امر حق یہ ہے کہ مذہبی خیال میں توحید آخری لفظ ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے انسان سب مذہبوں اور فرقوں پر محبّت کے ساتھ نگاہ ڈال سکتا ہے۔ میرا یقین ہے کہ یہ روشن دماغ دنیا کا آئندہ کا مذہب ہوگا۔ ہنود کو یہ فخر ہو سکتا ہے کہ ہم دیگر اقوام سے پہلے اس تک پہونچے۔ بوجہ عبرانی اور عرب اقوام سے زیادہ قدیم ہونے کے۔ مگر عملی توحید جو سب انسانوں کو مثل اپنی جان کے سمجھے اور اس کے موافق برتاؤ کرے ان میں کبھی ترقی نہ پائی۔ برعکس اس کے میرا تجربہ ہے کہ اگر کبھی کوئی مذہب معقول حد تک اس یگانگت کو پہونچا تو وہ اسلام اور صرف اسلام ہے"

(۳)

تمہید میں ہم نے تعلیم اسلامی کی جو اصولاً پانچ قسموں میں تقسیم کی ہے ان میں سے نمبر (۱) "ایک بالاتر ہستی سے تعلق پیدا کرنے کی فطری بھوک کے لئے غذا بہم پہونچانا ہے۔ اس کی تفصیل خالص اسلامی نقطۂ نظر سے یہہ ہے کہ یہ حقیقتِ نفس الامری ہے کہ ایک بالاتر ہستی ہے۔ وحدہٗ لاشریک۔ قادرِ مطلق "بری از فہم وادراک"۔ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ (جو کچھہ اسکی ثنا وصفت بیان کی جاتی ہے وہ اس سے برتر ہے) اس کے ہونیکا سبب

بڑا ثبوت تو "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" اور "عجز الدرک عن ادراکِ ادراک "
دادراک سے ہار مان لینی ہی ادراک ہے) ہے مگر قرآن شریف میں جس بات پر جا بجا
زور دیا گیا ہے وہ کائنات اور انسان کی ہستی ہے۔ "ہمنے زمین و آسمان کو پیدا
کیا۔ ہمنے ہر جاندار کو پیدا کیا۔ ہمنے جنگل۔ پہاڑ۔ دریا۔ سمندر۔ چاند۔ سورج کو پیدا
کیا۔ ہم نے جانداروں کے جوڑے پیدا کئے۔ انسان سے ادنیٰ درجہ کی جتنی مخلوقات
ہے وہ سب مثل انسان کے علیحدہ علیحدہ اُمّتیں ہیں۔ یہ اور مثل اس کے
بیشمار دعووں سے قرآن شریف مملو ہے۔ آگے چلکر بڑی راستبازی کے
ساتھ قرآن شریف نے سب سے زیادہ معرکۃ الآرا مسئلہ روح کی نسبت فرمادیا
کہ یہ عالمِ خلق کی شے نہیں ہے بلکہ عالمِ امر کی شے ہے اور اس کا علم ہم نے تم کو
قلیل دیا ہے۔ اس سے ہزاروں دور از کار بحثوں کا دروازہ بند ہو گیا اور
علی آلہیات میں میانہ روی کا یہ معتدل نظریہ قائم ہو گیا کہ خدا کی ماہیت اور روح
کی حقیقت سے کما حقّہٗ واقفیت کا تو دعوےٰ نہیں کیا جا سکتا مگر "شاہدِ نازک
خیالاں" اور "انیسِ خاطرِ آشفتہ حالاں" کی واقعیت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا
اور "عروسِ خلوت و شمع انجمن" جس کی ذات سے مراد ہے اور جس کی طرف قلبِ سلیم
خوشی۔ رنج۔ بہارِ خزاں اور زندگی اور موت میں خود بخود رجوع کرتا ہے۔ وہ
"کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں" یا کم از کم "ایں قدر ہست کہ
بانگے جرسے مے آید" سے خالی نہیں۔ انسانیت کی ابتدائی فہمداری کے
پورا کرنے کے لئے اسی قدر اعتراف کافی تہا۔ مگر انسانیت کا میدان بہت
وسیع ہے اور جو انسان ابتدائی درجوں سے اوپر کے درجوں کی طرف ترقی کرتا
ہے۔ وہ تو زبانِ حال سے یہی کہتا ہے ؎

دل سے مانا ہی تمہیں شمعِ طلسمِ حیرت ہو آئینہ خانۂ عالم میں تماشا تم ہو

اس کے بعد اس کی رضاجوئی اور حضوری وغیرہ کی قدرتی آرزوئیں دل میں موجزن ہوتی ہیں اور مجاز کی طرح اس میں بھی بہت سی بھول بھلیاں ہیں۔ بعضے یہاں ٹھیر جاتے ہیں کہ زبان و دل سے اس کا اقرار کرو۔ بتائی ہوئی عبادات اور اعمال کو جہاں تک ہو سکے پورا کرو اور متوقع رہو کہ وہ ہم سے یہاں بھی خوش ہوگا اور وہاں بھی۔ بعضے اس سے آگے قدم بڑھا کر ایثارِ نفس اور خدمتِ خلق اللہ کو اس کی خالص فرمانبرداری اور حصول خوشنودی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ جو لوگ زیادہ لطیف قلب کے ہیں وہ اس کی دھن میں دنیا و ما فیہا کو دل سے بھلا دیتے ہیں اور ریاضتِ شاقہ اور عام طور سے ناقابلِ برداشت ایثار کو اپنا شعار بنانے پر تلے رہتے ہیں۔ ہم ان سب رجحانات کو انسانی فطری بھوک سے تعبیر کرتے ہیں اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام نے اس کے لئے کیا غذا بہم پہونچائی۔

۲ — ان تین حالتوں کے مناسب اسلام نے تین نظام قائم کئے جنکو اصطلاح میں علی الترتیب۔ شریعت۔ طریقت اور معرفت کہتے ہیں۔ شریعت اپنے اوامر و نواہی کو مکمل انتظام سے آدمی کو کاٹ چھانٹ کر اور ارکان یعنے نماز۔ روزہ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ کی باقاعدہ تربیت سے اوسطاً اس قابل کر دیتی ہے کہ وہ خدا رسول کی فرمانبرداری کے ساتھ اور اپنی صحیح فطری خواہشوں کو اعتدال کے ساتھ پورا کرنے کے ساتھ ایک معقول حد تک اپنے لئے بھی مفید ہو سکتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی۔ شریعت کی اس تعلیم نے کہ دنیا ہیچ اور منتہا نہیں ہے "رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ اے ہمارے پروردگار تو نے اسے باطل نہیں پیدا کیا"۔ مسلمان کو اس میں سوچ سمجھ کر رہنے اور پھونک

پھونک کر قدم رکھنے کا سبق پڑھایا اور جب اس کے ساتھ اس قدر اور بڑھا کہ "دنیا آخرت کی کھیتی ہے - الدنیا مزرعۃ الآخرۃ" تو آخرت کی بہاری ذمہ داری بھی اسی دنیا میں صحیح اصول کی زندگی بسر کرنے کے سر پر آگئی - یہی دنیا ہے اور یہی اس کے بسنے والے انسان ہیں - اس گھر کو ایک گھر سمجھو اور سب رہنے والوں کو ایک برادری سمجھو تب کہیں سب کے ملکر جوتنے بونے سے یہ "کھیتی" تیار ہوگی - اور اس کی پیداوار یہاں اور وہاں دونوں جگہ کام آئیگی - یہ ہے شریعت حقہ کی نیچرل - مفید اور سہل العمل تعلیم - موجودہ رواجی تعلیم شریعت میں جو بیشمار فحاشات فیہ مسائل اور ناقابل برداشت سختیاں اور دشواریاں پیدا کی گئی ہیں جن کی بدولت بیشمار فرقے اور فرقہ بندیاں ہوگئی ہیں راقم الحروف قائل نہیں ہے - میں تو شریعت کی سیدھی سادی اور سلیم طبیعت پر گراں نہ گذرنے والی تعلیم کا والہ وشیدا ہوں - عرفِ عام کی تقسیم کے حساب سے نہ سنی ہوں نہ شیعہ - نہ مقلد نہ غیر مقلد - میں تو مسلمان اور صرف مسلمان ہوں اور خدا سے دعا مانگتا رہتا ہوں کہ وہ اپنے فضل سے اسی پر خاتمہ کرے - آمین

۳ - رسالہ فغان قاری کے ایک مضمون میں "نظام تعلیم اسلام - آنرز کورس" کی سرخی سے میں نے معرفت اور حقیقت کی تعلیم کو ملاکر انسان کو اعلےٰ مراتب انسانیت پر پہونچانیکی جو اسلام کی تعلیم ہے اس کا مختصر خاکہ کھینچا ہے یہاں اس کو دوسرے عنوان سے جو اس رسالہ کے مضامین سے مناسبت رکھتا ہے بیان کرنے کی کوشش کی جائیگی -

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ یہ اعلیٰ تعلیم فرض نہیں ہے بلکہ اختیاری - اس کی حقیقی وجہ یہ ہے کہ انسانوں کے طبائع اور استعداد ترقی

مختلف ہیں اور فرض وہی چیز ہو سکتی ہے جو اوسطاً سب انسانوں پر منطبق ہو سکے۔ اسی کا نام شریعت ہے اور اسی لئے وہ فرض ہے۔ آنرز کورس کے لئے ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ احکام شریعت کو دل سے بجا لاؤ اور اس سے بھی ترقی کر کے ان میں خاص شغف اور خاص انہماک پیدا کر کے اور اس کے مناسب خاص ریاضات اور خاص ایثار کر کے خاص لذاتِ روحانی حاصل کرو۔ اس سے روح متاثر اور متکیف ہو جائیگی اور چونکہ وہ باقی ہے فانی نہیں اس لئے دنیا میں اس کا کیف اور تاثر خدمت خلق اللہ۔ خدمتِ علم۔ خدمتِ دین وغیرہ کی صورت میں ظاہر ہوگا اور آخرت میں حصول نمائے آلہی۔ مصاحبتِ ارواح طیبہ اور دیدارِ خدا کی صورت میں منتقل ہوگا۔ اسی کا نام کامل نجات ہے۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس اعلیٰ روحانی تعلیم کے لئے کوئی آزاد راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔ اگر (اور جس قدر) وہ نظامِ شریعت سے مطابقت کرے تو فبہا۔ نہ کرے تو خیر۔ مسلمانوں کا کثیر گروہ پہلی صورت کا مداح ہے۔ مگر ایسے لوگوں کی تعداد بھی موجود ہے جو دوسری صورت کو جو نسبتاً قیود سے آزاد ہے اختیار کرتے ہیں۔ اول میں سالکانِ راہِ طریقت۔ مشائخ کبار۔ صوفیانِ باوقار شامل ہیں۔ دوسری میں آزاد فقرا رسول شاہی۔ قلندر وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ ان کو برا کہہ لو یا پشت آئینہ سمجھ لو مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ بھی فطرتِ انسانی کا تقاضا ہے کہ کتنی ہی خفیف کیوں نہو مگر ایک غدار سوسائٹی میں ایسے آدمیوں کی رہتی ضرور ہے جو قیود سے آزاد ہوتے ہیں۔ مگر اس کا ٹیکس بھی بہت سخت ادا کرتے ہیں۔ مثلاً رسول شاہی عام طور پر نشہ کرتے ہیں مگر عورت سے تمتع حاصل کرنے کو ہلشل حرام شرعی کے خیال کرتے ہیں۔ جس طرح مذہب ہنود میں کرم یوگ

پریم یوگ ۔ راج یوگ ۔ ور گیان یوگ اصولاً علیحدہ علیحدہ ہیں اور بڑی حد تک ایک دوسرے سے بے نیاز ہیں ۔ اسلام کی توحیدی تعلیم میں ایسی تقسیمیں نہیں ہیں ۔ یہاں تو صرف ایک تعلیم ہے اور اس کے ارتقائی مدارج ہیں ۔ کرم یوگ کا ادھکاری آواگون کو مان کر اعمالِ صالحہ اور نشکام خدمتِ خلق میں اپنی نجات ڈھونڈتا ہے اور اس پر فرض نہیں ہیں کہ وہ پریم یوگ وغیرہ کا راستہ تلاش کرے ۔ پریم یوگ کا ادھکاری اپنے اشٹ دیو کے عشق میں سرشار رہ کر مکتی کا طالب ہوتا ہے اور دوسرے طریقوں سے اس کو سروکار نہیں ہوتا ۔ راج یوگ کا دھیان تپسیا اور حبسِ دم وغیرہ سے نراکار جوتی سروپ کا جلوہ اپنے آپ میں تلاش کرتا ہے اور باقیماندہ تینوں نظاموں کی طرف متوجہ ہونا ضروری نہیں سمجھتا ۔ گیان یوگ سے مناسبت طبعی رکھنے والا منطق اور فلسفہ وغیرہ کے ذریعہ یعنی وچار سے معرفت کا جویا ہوتا ہے اور دیگر یوگوں سے مستغنی رہتا ہے ۔ ہندو دھرم میں باعتبار اکثریت نجات کا مفہوم تناسخ کے جال سے مخلصی پانا یعنی آواگون سے رہت ہونا ہے ۔ اس کے بعد بعض جیو آتما کو پرم آتما کی حضوری حاصل ہونا بتاتے ہیں اور بعض جیو آتما کو پرماتما میں مل جانا ۔ اسلام میں چونکہ تناسخ کا عقیدہ نہیں ہے اور بجائے اس کے حشر و نشر کا عقیدہ ہے اس کا منطقی اور لازمی نتیجہ یہ ہے کہ توحید کو کامل کیا جائے جس کے ارتقائی مدارج شریعت ۔ طریقت اور معرفت ہیں اور جس کے انعامات دائمی خوشنودیِ خدا اور دیدارِ الٰہی ہیں ۔ قرآن شریف میں فائز المرام زندگی کی صفت "راضیۃ مرضیہ" "تو ہم سے راضی ہم تجھ سے راضی" بیان کی گئی ہے نظامِ طریقت و معرفت میں اس اعلیٰ درجہ پر پہونچنے کے لیے پیرِ کامل کی ہدایت کے موافق اوراد و وظائف ۔ ریاضتِ شاقہ اور خاص خلوص اور ایثار

اختیار کیا جاتا ہے۔ اس پہ بھی مقطع کا بند ہر حال میں فضلِ الٰہی مانا جاتا ہے۔ اسلام کی تعلیم کا لب لباب یہ ہے کہ صحیح عقائد اور اعمالِ صالحہ اختیار کرو مگر ہر وقت اپنے زورِ بازو کے بجائے اُس کے فضل کے امیدوار رہو۔ بات تو صرف اتنی ہی ہے مگر اہلِ علم نے فلسفہ و کلام کی مدد سے ہر عقیدہ کی مہدی کی چندی نکالی ہے اور اسے کہیں سے کہیں پہونچا دیا ہے۔ مثلاً قرآن شریف میں "یدُ اللہ" کے الفاظ ہیں۔ مفسرین اور محدثین تو کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاتھ ماننا ضروری ہیں۔ خواہ وہ کسی قسم کے ہوں۔ متکلمین معتزلہ کہتے ہیں کہ ہاتھ سے اس کی قدرت مراد ہے اور اس پہ طویل بحثیں ہیں اور اختلاف رائے سے گذر کر نوبت مخالفت تک پہونچی ہے۔ اسی طرح اور ہزاروں مسائل ہیں جن کی طویل بحثوں نے ایک چکر میں ڈال دیا ہے۔ بایں ہمہ اسلام کا نظام توحید اور جو اس کی فضیلت کا طغرائے امتیاز ہے اسقدر جیتا ہے کہ نہ محدّث اس سے باہر نکل سکتا ہے نہ متکلم۔ نہ مولوی نہ صوفی۔

۴۔ عبادات کے ضروری مسئلہ میں جو جملہ مذاہب کا مشترک مسئلہ ہے اکثر فلاسفروں کی یہ رائے تھی کہ خالص عبادت کا تعلق قلب سے ہے اس لئے اس کے ادا کرنے کے لئے ظاہری طمطراق اور نمود کی ضرورت نہیں۔ مگر جدید علم النفس کے ماہرین نے تحقیق کیا ہے کہ انسان کے فطری رجحانات (نیچرل انسٹنکٹس) میں یہ دو رجحان بھی بڑے قوی ہیں ایک ہرڈ انسٹنکٹ یعنے گلّے کی طرف رجوع کرنا۔ دوسرا کروڈ انسٹنکٹ یعنی بھیڑ بھاڑ کو ڈھونڈنا اور ان کی رائے ہے کہ کوئی نظام انسانوں کو راحت قلبی پہونچانے کا مکمل نہیں کہا جا سکتا جس میں ان دونوں رجحانات کا معقول طور پہ لحاظ نہ رکھا جائے۔ اسلام نے نمازِ باجماعت اور حج میں اس حقیقی ضرورت کو عبادتِ الٰہی

کے ساتھ ملا کر پورا کیا اور خدا سے تعلق پیدا کی فطری بھوک کے لئے عبادت جیسی اہم شے کی غذا بہم پہونچانے میں فطرت انسانی کا پورا لحاظ رکھا۔ ادنیٰ درجہ تو یہ تھا۔ اعلیٰ درجہ وہ بام انسانیت ہے جس پر پہونچنے کے لئے "سب" کے مل کر کوشش کرنے کی ضرورت ہے اور جسقدر "سب" آپس میں زیادہ ملیں گے اسیقدر ایک دوسرے کے رفیق بھی بنیں گے اور مذہبی الفاظ میں اسی قدر برکات الٰہی کا ان پر نزول ہوگا۔ اسلام نے اسی لئے جائز نہ رکھا کہ غربا اور امرا کی مسجدیں علیحدہ ہوں بلکہ حج میں تو اتحاد کا یہ تعمیری پروگرام بھی ضروری قرار دیدیا کہ شاہ سے لیکر گدا تک سب ایک سادہ لباس میں ہوں اور جملہ حدود و قیود سب پر یکساں عائد ہوں۔ ہم دوسروں کی دل آزاری کے خیال سے خواہ یہہ نہ کہیں کہ کسی اور مذہب میں یہ سب باتیں نہیں ہیں مگر اس قدر عرض کرنے کی اجازت تو ہمیں ضرور ہونی چاہیئے کہ خدا کے سب سے آخری اور خاتم مذہب میں ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا اور ہے۔ انسانوں کی ابتدائی ضرورت بھوک پیاس ہے اور امرار کو جو غربار سے حقیقی ہمدردی نہیں ہوتی اس کی ایک بڑی وجہ یہہ ہے کہ وہ بھوک پیاس کی مصیبت سے محفوظ ہوتے ہیں۔۔۔۔۔

۔۔۔۔ روزہ کے ذریعہ سے اسلام نے سب میں اس احساس کو قوی کیا اور نامعلوم طور پر صرف عبادتِ الٰہی کے تحت میں وہ سبق پڑھا دیا جس سے علاوہ اور خوبیوں کے لازمی طور پر بھوکے پیاسوں سے ہمدردی پیدا ہو

(۴)

اسلام کی نمبر (۲) تعلیم "دنیا میں تندرستی۔ خوشی۔ امن اور میل جول سے رہنا سکھانا یعنے عمدہ خصائل اور عمدہ تمدن کی تعلیم دینا" ہے۔ اس سب کا

عطر عمدہ خصائل اور عمدہ تمدن ہے۔ مذہبی اصطلاح میں تین چیزوں کے مجموعہ کا نام اسلام ہے یعنی عقائد۔ اعمال اور اخلاق (ملاحظہ ہو صفحہ (۱) دیباچہ الکلام حصہ دوم مرتبہ مولانا شبلی نعمانی مرحوم)۔ تمدن کا مسئلہ علیحدہ سہی مگر اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ میں بہت بڑا حصہ اس حقیقی عنصر کا ملتا ہے جسے خصائل کہتے ہیں۔ خصائل یا کیریکٹر بلڈنگ میں یہ اور امتیاز ہے کہ مذاہب کے ماننے والے اور مذہب کے نہ ماننے والے یعنی کل دنیا عمدہ خصائل کو ضروری اور اعلیٰ قرار دیتی ہے۔ ممالک متمدنہ میں ہزاروں کتابیں موجود ہیں جن میں علمائے علم حیاتِ انسانی نے اس مضمون پر محققانہ بحثیں کی ہیں اور اس متبرک علم کو ایک نفیس فن بنا کر اس کے اصول اور کلیے بھی قائم کئے ہیں۔ سمائلز کی سلف ہیلپ۔ بلیکی کی سلف کلچر۔ ڈے ونپورٹ ایڈمز کی راز کامیابی۔ اینڈرسن کی کامیابی مشہور اور قابل قدر کتابیں ہیں مگر جدید علم النفس کی تحقیقات کی روشنی میں جو حال میں ایک کتاب لکھی گئی ہے وہ آنکھوں پر رکھنے کے قابل ہے۔ یہ علامہ ہیو ایلیٹ کی مشہور کتاب ہیومن کیریکٹر یعنی "انسانی خصائل" ہے اس میں نہایت وضاحت کے ساتھ تین انسانی جذبات کبیرہ یعنی تحفظ ذات۔ بقائے نسل اور سلامتی سوسائٹی کا ذکر کیا ہے۔ ہمارے یہاں پہلے ہی بقائے ذاتی اور بقائے نوعی وغیرہ کی مفصل بحثیں موجود ہیں۔ انہی جذبات سے عمدہ خصائل اور عمدہ تمدن کی بنیاد پڑتی ہے اور اسی لئے اسلام نے ان پر بہت زور دیا ہے اور اسی بنا پر اسلام فطری مذہب کہلائے جانے کا مستحق سمجھا جا سکتا ہے

۲- مولوی انوار اللہ صاحب مرحوم نے اپنی کتاب مقاصد الاسلام حصہ اول میں تمدن پر نہایت معقول بحث کی ہے اور اسے ایمان کا محتاج ثابت

کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایمان" امن سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی امن دینے کے ہیں اور ظاہر ہے کہ اصلاح تمدن کا مدار امن کے قائم رکھنے پر ہے اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ خود لفظ ایمان سے ثابت ہے کہ اصلاح تمدن لوازمِ ایمان سے ہے۔ یعنی جب ایمان کے معنی پورے طور پر متحقق ہو جائیں تو امن و امان کا تحقق ہوگا جس سے خود تمدن کی اصلاح ہو جائیگی"

"الحاصل تمدن کی بنیاد فطرتی طور پر ڈالی گئی جس سے اس مکرم نوعِ انسان کو سعادت دنیوی حاصل کرنے کا عمدہ موقع ہاتھ آگیا۔ اب اگر باوجود اتنے فضل و کرم کے کوئی شخص کفران نعمت کرے اور ایسے افعال کا مرتکب ہو جو خلاف مرضیٔ خالق اور تمدن کو ضرر پہونچانے والے ہوں تو اس پر اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ پورے طور پر صادق آجائیگا ہر چند تمدن کی بنیاد فطرتی طور پر قائم ہوئی ہے جس میں انسان کے فعل و اختیار کو چنداں دخل نہیں مگر عقل بھی اس کو مفید اور ضروری سمجھتی ہے اور یہ گواہی دیتی ہے کہ آدمی کے حق میں تمدن سے بہتر کوئی نعمت نہیں ہوسکتی اس لئے کہ کل دنیوی سعادتوں کا مدار اسی پر ہے"

ایمان کا دار و مدار اللہ کے تعلق پر ہے جس تعلق کو مضبوط کرنے کے لئے اسلام نے وہ راستہ بتایا جس کا ذکر پہلے باب میں کیا گیا ہے توحیدِ کامل سے ایمانِ کامل نصیب ہوتا ہے اور ایمان کامل سے اعلیٰ خصائل اور اعلیٰ تمدن حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً صرف اس ایک اعلان نے کہ" اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۔ زمین کی وراثت صالح بندے ہی پائیں گے" عمدہ خصائل کو تمدن اور ریاست دونوں کے لئے لازم کردیا۔ خصائل اور تمدن کی بنیاد محض عقل پر بھی پڑ سکتی ہے۔ مگر چونکہ عقل نہ اپنی ذات میں

کامل ہے اور نہ ہر شخص کامل العقل ہوتا ہے اس لئے جو تمدن اس کے ذریعہ سے بنے گا وہ ناقص بنے گا۔ اس نقص کو دور کرنے کے لئے اسلام نے ایمان کی شرط لگائی۔ ایمان اور عقل دونوں سے کام لیکر جو کیریکٹر اور تمدن بنیگا وہ کامل ہوگا۔ اسلام کی تعلیم میں علاوہ ساری دنیا کی مسلمہ اخلاقی تعلیمات کے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی نہایت مفید تقسیم کی گئی ہے مثلاً کفر و شرک حقوق اللہ کی فہرست کے گناہ ہیں۔ چوری۔ زنا وغیرہ سوسائٹی یعنی حقوق العباد کی فہرست کے گناہ ہیں۔ پھر گناہوں میں کبیرہ اور صغیرہ کی تقسیم کی ہے۔

اگر مذاہب ہنود کے کرم کے عقیدے کے مقابل اسلام کا عقیدہ معافی گناہ کا قابلِ التفات تسلیم کیا جائے تو اس کی تفصیل میں یہ نہایت زبردست اور نیچرل بات ملتی ہے کہ سوائے مستثنیٰ صورتوں کے عام طور پر خدا تعالیٰ حقوق العباد کی فردگذاشتوں کو معاف نہ کریگا۔ اس عقیدہ سے عمدہ خصائل سیکھنے اور سوسائٹی کی بہبود کے خیال کو کس قدر عملی قوت حاصل ہوتی ہے۔

۳۔ اب بعض جزئیاتِ تمدن کو لیجئے۔ مثلاً تندرست رہنا۔

اہل ہنود کی قابل قدر تقسیم میں جسم کو صاف ستھرا اور تندرست رکھنا اسقدر ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اسے ایک دھرم سے تعبیر کیا ہے مگر چونکہ جسم پچھلے جنم کے کرم کے انوسار ملتا ہے اس لئے وہ کرم اور تناسخ کی لامتناہی زنجیر کی ایک کڑی ہی قرار پاتا ہے اور بس۔

اسلام کا نظریہ اس بارے میں یہ ہے کہ جسم کی مشین اللہ تعالیٰ کی ایک امانت ہے۔ اسے صاف رکھنا اور تندرست یعنے مقررہ اور مفوضہ کام کے

قابل رکھنا امانت الٰہی کو پورا کرنا ہے۔ ایسا نہ کرنا امانت الٰہی میں خیانت کرنا ہے جس سے سوسائٹی کو نقصان پہونچتا ہے۔ اسلام کا نظریہ "میرا جسم" نہیں ہے۔ بلکہ مجھے ٹھیک طور پر برتنے کے لئے "عطا کیا ہوا جسم" ہے۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ ذٰلِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًاؕ (کان، آنکھ اور دل ان سب سے قیامت میں (ان کے اعمال کے متعلق) سوال کیا جائیگا۔ معمولی بے اعتدالیوں سے لیکر جن سے یہ مشین خراب ہو اور جو اپنے ارادہ یا غفلت سے سرزد ہوں۔ انتہٰے اس کا ضائع کرنا یعنی خودکشی کرنا۔ سب اپنے اپنے درجہ میں گناہ ہیں۔ کوئی صغیرہ کوئی کبیرہ۔

باقیماندہ جزئیات تمدن کو مقاصد الاسلام میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کا اقتباس ہم یہاں پیش کرتے ہیں:۔

وہ امور جن کے کرنے کی فضیلت اور تاکید ہے

ہر کام میں نیک نیتی۔ صدق۔ راست بازی۔ اتحاد باہمی۔ خوش خلقی امانت داری۔ دیانت داری۔ ایک دوسرے کی مدد۔ سفارش۔ حاجت روائی بیمار پرسی۔ مسافر نوازی۔ ایفائے وعدہ۔ اصلاح بین الناس۔ ادائے شہادت مشورت۔ نیک مشورت دینی۔ تواضع۔ قناعت۔ عفو تقصیر۔ عیب پوشی۔ ماں باپ اور اپنے حاکم کی فرمانبرداری۔ کل حقوق کی ادائی۔ بزرگوں کی تعظیم۔ چھوٹوں پر شفقت۔ صلہ رحمی۔ جو بات اپنے لئے پسند کی جاتی ہے دوسرے کے لئے پسند کرنی۔ محتاجوں کی خبر گیری۔ سخاوت۔ رحم۔ لونڈی غلام کو اپنے بھائی بہن کے برابر سمجھنا اور آپ جو کھاتے اور پہنتے ہیں ان کو بھی وہی کھلانا اور پہنانا۔ فریاد رسی ظالم کے پنجے سے مظلوم کو چھڑانا۔ عدل و انصاف۔

جس کام پر اُجرت لی گئی اس کو دیانت اور عمدگی سے ادا کرنا۔ مسافر خانے پل۔ کنویں اور راستوں کی تعمیر و ترمیم۔ اشاعت علم میں کوشش۔ حرفہ اور کسب سے اپنی اور اپنے عیال کی پرورش۔ ہر کام اسکے اہل سے لینا وغیرہ وغیرہ

وہ امور جن سے بچنے اور احتراز کرنیکی تاکید ہے

جھوٹ۔ وعدہ خلافی۔ عہد شکنی۔ جھوٹی گواہی۔ افترا پردازی۔ بہتان۔ غیبت چغلی۔ سخن چینی۔ لوگوں کے عیوب کی تجسس۔ استہزاء تمسخر۔ تحقیر۔ توہین۔ ہجو دلشکنی۔ سخت کلامی۔ سب و شتم فحش و بیہودہ گوئی۔ فتنہ انگیزی۔ مکر۔ فریب۔ چاپلوسی قمار بازی۔ ناپ تول کی کمی۔ دغا بازی۔ غصب۔ چوری۔ مفسدہ پردازی۔ بغاوت غارتگری۔ اذیت رسانی۔ سوال۔ بھیک مانگنی۔ حرص۔ طمع۔ عداوت۔ بغض حسد۔ کینہ۔ تین روز سے زیادہ کسی سے رُکے رہنا۔ تخویف۔ جن امور سے نزاع اور جھگڑے پیدا ہوں انکا ارتکاب۔ نشہ کی چیزوں کا استعمال۔ ظلم۔ رشوت۔ لوگوں کی آمد و شد کے مواقع کو تنگ کرنا جس سے ان کو تکلیف ہو۔ احتکار یعنی غلہ کو اس خیال سے روک رکھنا کہ اگر مہنگا ہوگا تو بیچیں گے وغیرہ۔

اس میں شک نہیں کہ حکما بھی اصلاح تمدن کے جو اصول ایجاد کرتے رہتے ہیں۔ ان میں بھی اکثر اسی قسم کی باتیں ہیں۔ مگر صرف اصول قرار دینے سے قوائے شہویہ و غضبیہ کی اصلاح ممکن نہیں۔ اس لئے کہ جو قواعد عقل سے ایجاد کئے جاتے ہیں۔ ان کے توڑنے کی تدبیریں بھی عقل ہی سے لوگ ایجاد کر لیا کرتے ہیں۔ مثلاً جھوٹ کہنا قانون میں بھی جرم ہے۔ مگر جن کو ایمان سے کوئی تعلق نہو اپنا مقصود حاصل کرنے کی غرض سے جس بات کو چاہیں خلاف واقع قانونی پیرایہ میں لا سکتے ہیں اور یہ بھی کہ اس خلاف واقعہ یعنی جھوٹ کا ثابت ہونا ہی

مشکل ہوگا۔ اسی پر تمام جزیوں کا قیاس ممکن ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ قانون حکماء کا مقتضیٰ نہیں ہوسکتا کہ اصلاح تمدن ہو بلکہ خودغرض بہائم سیرتوں کی عقلوں کو اس طرف متوجہ کردیگا کہ واقعات کی حیثیت اور نوعیت بدل کر کسی قانونی دفعہ کے تحت میں داخل کردیں اور جس طرح ممکن ہو اپنی خواہشیں پوری کیا کریں جس سے راستی پسند جن کی طبیعت میں مکروفریب دغابازی نہ ہو ہمیشہ ایسے لوگوں کے قابو میں اس طرح پھنسے رہیں گے جیسے بکری بھیڑیے کے جنگل میں ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے ایمان کا ذاتی مقتضےٰ یہ ہے کہ کوئی ایسی حرکت جسمیں کسی کی حق تلفی یا ظلم و زیادتی ہو ہرگز وقوع میں نہ آسکے اسلئے کہ ہر ایماندار جس کو کامل یقین ہو کہ خدا تعالیٰ دل کی باتوں کو بھی جانتا ہے اور ہر بات کی جزا و سزا دوسرے عالم میں ضرور ہونیوالی ہے اور ایک روز ایسا آنیوالا ہے کہ خدا کے روبرو ہم حاضر ہوں گے اور ان تمام اعمال کا محاسبہ ہوگا جو ساری عمر میں کئے تھے اور جرائم کا اثبات اس طور پر ہوگا کہ علاوہ دوسرے گواہوں کے خود ہمارے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء ہمارے گناہوں پر گواہی دیں گے جس کا انکار ہم سے ممکن نہ ہوگا تو ایسا شخص کبھی یہ خیال نہیں کرسکتا کہ خواہش نفسانی کو کسی حکم شرعی کے تحت میں لاکر خدائے تعالیٰ کو دھوکا دینا ممکن ہے اس لئے ہر خواہش نفسانی کے وقت ایماندار کو یہ خیال ضرور آئیگا کہ آیا خدائے تعالیٰ نے اس کام کی اجازت دی ہے یا نہیں اور جب اس کو علم کے ذریعہ سے معلوم ہوجائے گا کہ اسکی اجازت نہیں تو ضرور اس سے احتراز کریگا۔ اس طریقے سے جتنے افعال قوائے شہویہ اور غضبیہ سے متعلق ہیں سب کی اصلاح خود بخود ہوجائیگی۔ کیونکہ آدمی کی طبیعت کا مقتضےٰ ہے کہ جو خیال اس پر غالب ہو وہ دوسرے خیال کو اثر کرنے

سے روک دیتا ہے۔ دیکھ لیجئے جب کسی سے سخت خصومت ہوتی
ہے تو ہر چند باقتضائے قوت غضبیہ بسا اوقات مخالف کو قتل کرنے کا
خیال پیدا ہو جاتا ہے اور اس خیال کو تائید دینے والے آلات و
اسباب بھی موجود ہوتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی قصاص وانتقام
کا خیال اُس خیال سابق پر ایسا غالب آجاتا ہے کہ آدمی قتل پر اقدام
نہیں کر سکتا۔ اگر سلطنت کی طرف سے قصاص و انتقام نہو تو معلوم
نہیں کہ روز کتنی واردات ہوا کریں۔ غرضکہ آدمی کو خیالِ سزا و انتقام
اکثر جرائم سے روک دیتا ہے۔ اسی طرح قوائے شہویہ اور غضبیہ کے
ناجائز تصرفات کے وقت خیال انتقام اُخروی ایماندار کو ارتکاب
جرائم اور خلاف شرع امور سے ضرور روک دیگا جس سے اصلاح تمدن
خود بخود ہو جائے گی‘‘

(۵)

ہم۔ نمبر (۳) و (۴) یعنی دنیا کو بہتر بنانے اور اس کی کشمکشوں میں
مردانہ وار گذرنے کے مضامین کو ہم ایک جگہ کر کے ان پر مشترک بحث
کریں گے۔ اسلام کی اس تعلیم سے کہ دنیا باطل شے نہیں ہے۔ ہر چند
اسے ایک دن چھوڑ کر جانا ہے۔ اس اعتراف سے کہ دنیا کی اضداد
مثل تندرستی بیماری۔ نفع نقصان وغیرہ ناگزیر اور فطری ہیں اس
تاکید سے کہ ’’لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ‘‘ اسلام میں ترک دنیا نہیں ہے
اور اس بڑے کلیے سے کہ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا۔
(موت اور زندگی اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ آزمائش کی جائے کہ
نکوکاری میں کون آگے بڑھتا ہے) سلیم الطبع مسلمانوں میں ہمہ

ذہنیت پیدا کردی کہ دنیا میں تاا تُل اور آرام سے رہو۔ اس کی ترقی کرو۔ اسکی کشمکشوں میں بہادرانہ گذرنے کے لئے صبر اور نماز سے مدد لو" وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ مگر موت کیلئے اور ایکدن اس کل کاحساب دینے کیلئے تیار رہو۔ دنیا کو ترقی دینے اور دنیا والونکو خوشی۔ رواداری اور آپس میں ہمدردی سکھانے کی الف۔ ب۔ ت وہی اشاعتِ توحید و ایمان ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اور اسی لئے شروع سے مسلمانوں نے اسے اپنا شعار قومی بنایا۔ ہزاروں سختیاں اور مصیبتیں اٹھائیں۔ مدافعانہ لڑائیاں تک لڑیں مگر ساری دنیا میں توحید کا ڈنکا بجاکر چھوڑا اور اس آیت کی تعمیل نہایت خلوص کے ساتھ کی۔ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ۔ تم سے ایک جماعت دنیا کو نیکی کی طرف بلانے اور اچھے کاموں کی تعلیم دینے اور بُرے کاموں سے باز رکھنے کے لئے نکلے۔

ترقی کی جڑ علم۔ تربیت اور تحریص و ترغیب ہے۔ اسلام نے ابدالآباد تک کے لئے ہر مسلمان مرد اور عورت پر علم سیکھنا فرض کردیا ہے" طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَعَلٰى كُلِّ مُسْلِمَةٍ۔ اور یہ نہیں کہ اگر سیکھنا آسان ہو تو سیکھو ورنہ نہیں بلکہ اس تاکید کے ساتھ کہا کہ اگر چین میں بھی ہو تو سیکھو (اطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّينِ) اس زمانہ میں عرب کے سامنے چین کی مثال دینے کے یہ معنی تھے کہ خواہ کتنی بھی دور ہو وہاں جاکر سیکھو۔ نماز روزہ اور حج کے نہایت باقاعدہ نظام سے علاوہ عبادت الٰہی کے اسلام نے نہایت معقول تربیت ضبط نفس اور عام میل جول کی دی۔ اخلاقی تعلیم کی بنیاد رضائے الٰہی اور رفاقتِ خلق اللہ کے جید اصولوں پر رکھی اور اس کا مکمل ضابطہ تیار کردیا۔ اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی اچھی طرح صراحت کردی "نصیحت سے مثال بہتر ہے" اس زریں

اصول کے موافق بہت تھوڑے عرصہ میں دنیا کو وہ کچھ کر دکھایا کہ جس کی نظیر تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

دیکھیئے اسلام کی عملی کارگذاری کی نسبت غیر کیا رائے رکھتے ہیں۔

اقتباسات از دلائل فضائل اسلام من تصنیف مولوی عبدالرؤف صاحب

جان ڈیون پورٹ فرماتے ہیں: "نہایت ناپسند اور حقیر بت پرستی کے بدلے خدائے واحد کی پرستش قائم کرنے سے بڑی بڑی دائم الاثر اصلاحیں کیں مثلاً اولاد کشی کو موقوف کیا۔ نشہ کی چیزوں کے استعمال کو اور قمار بازی کو جس سے خلائق کو بہت نقصان پہونچتا ہے منع کیا۔ مذہب اسلام کے احکام بہت ہی عمدہ اور مفید مقاصد پر مبنی ہیں۔ مسلمانوں کے سبب سے فیوڈلی انتظام کی سختیاں اور امیروں کی خود مختاری یورپ سے موقوف ہو گئی۔ مغربی تاریکی کی مدت دراز میں یونانی حکماء کی بہت سی کتابیں فنون اور علم ریاضی اور طب میں انہیں کی کوشش سے شائع ہوئیں"۔

ایڈورڈ گبن کی رائے: "مسلمانوں میں نیکی اور محبت کی روح ڈالدی۔ آپس میں بھلائی کرنے کی ہدایت کی اور انتقام کی خواہش اور بیوہ عورتوں اور یتیموں پر ظلم و ستم ہونے کو روک دیا"۔

طامس کارلائل: "قدیم علم ادب ہمیشہ کے واسطے بغیر کسی علاج کے مفقود ہو جاتا اگر مسلمانوں کے مدرسوں میں اس کو پناہ نہ ملتی۔ قدرتی چیزوں کی تاریخ جغرافیہ۔ علم تاریخ۔ صرف نحو۔ کلام اور شاعری کی بہت سی کتابیں پیدا ہو گئیں جن میں سے اکثر اسوقت تک جاری رہیں گی اور ان کی تعلیم جاری رہیگی جب تک نسلیں تعلیم ہونے کے واسطے پیدا ہوتی رہینگی"۔

ایک یورپین نقاد جو اسلام کو ایک ملکی انتظام قرار دیتا ہے لکھتا ہے کہ "اسلام نے
بچہ کشی کا انسداد کر دیا جو اس زمانہ تمام قرب و جوار کے ملکوں میں جاری تھی۔
گو عیسائی مذہب نے بھی اس کو رد کیا تھا مگر اسلام کے برابر اس کو کامیابی نہیں
ہوئی۔ اسلام نے غلامی کو موقوف کر دیا جو اس ملک کی پرانی جاہلیت کی رسم
تھی۔ اسلام نے ملکی حقوق کو برابر کر دیا اور صرف ان ہی لوگوں کے حق میں انصاف
نہیں کیا جو اس مذہب کے معتقد تھے بلکہ ان شخصوں کے ساتھ بھی برابر انصاف
کیا جن کو اس کے ہتھیاروں نے فتح کیا تھا۔ اسلام نے اس محصول کو جو
سلطنت کو دیا جاتا تھا گھٹا کر صرف دسواں حصہ کر دیا۔ اسلام نے تجارت
کو تمام محصولات اور مزاحمتوں سے آزاد کر دیا۔ اسلام نے مذہب کے
معتقدوں کو اس بات سے کہ اپنے مذہبی سرگروہ کو یا مذہبی کام کیلئے جبراً
روپیہ دیں اور تمام لوگوں کو اس بات سے کہ غالب مذہب کو ہر ایک قسم
کا مذہبی چندہ دیں بالکل بری کر دیا۔ اسلام نے فرقہ فتح مند کے تمام حقوق
مفتوحہ لوگوں میں سے ان شخصوں کو دیدئے جو اس مذہب کے پابند تھے
اُن کو ہر ایک قسم کی پناہ دی۔ اسلام نے مال کی حفاظت کی۔ سود لینے کو
اور خون کا بدلہ بغیر حکم عدالت کے لینے کو موقوف کیا۔ صفائی اور پرہیزگاری
کی حفاظت کی اور ان باتوں کی صرف ہدایت ہی نہیں کی بلکہ اُن کو پیدا کیا
اور قائم کر دیا۔ حرام کاری کو موقوف کر دیا۔ غریبوں کو خیرات دینے اور
ہر ایک شخص کی تعظیم کرنے کی ہدایت کی۔

وہی یہ بھی لکھتا ہے کہ جو نتیجے اسلام سے ہوئے وہ اس قدر وسیع
اور دقیق اور مستحکم ہیں کہ ان کی تکمیل کر لینا تو درکنار ہم یقین نہیں کر سکتے کہ
کہ وہ انسان کے خیال میں بھی آ سکیں۔ اسی سبب سے بلحوظ [illegible] سکے کہ اُس کی

ارکہارٹ صاحب لکھتے ہیں کہ "اصول شرع اسلام میں سے ہر ایک اصول کو دیکھئے تو فی الواقع ایسا عمدہ اور موثر ہے کہ شارع اسلام کے شرف و فضیلت کو قیامت تک کافی ہے اور ان سب اصولوں کے مجموعہ سے ایک ایسا انتظام سیاست قائم ہو گیا جس کی قوت و شان کے سامنے اور سب انتظام سیاست ہیچ ہیں"۔

۵ ـ امر حق پر مردانہ وار قائم رہنا اور انتہائی مصیبتیں برداشت کرنا حقیقی شہادت ہے جس کی اسلام میں بڑی عظمت اور تاکید ہے ۔ اس مختصر رسالہ میں مسلمانوں کے کمالات کی تاریخ لکھنے کا موقع نہیں ہے مگر واقعہ کربلا شاہد ہے کہ یہ اسلام ہی کی اعلیٰ تعلیم کا نتیجہ تھا کہ امر حق پر قائم رہنے کے لئے شہدائے کربلا نے وہ وہ تکلیفیں اٹھائیں کہ بیان سے باہر ہیں جس مذہب میں یہ سکت ہو کہ واقعہ کربلا جیسی ٹریجیڈی دنیا کے اسٹیج پر ایکٹ کرے وہ کبھی مردہ نہ ہوگا بلکہ ابدالآباد تک زندہ اور فیض رسان رہیگا۔

(۶)

حیات بعد الموت کے واسطے کافی طور پر تیار کرنا ۔ اسلام نے دنیا کو آخرت کی کھیتی اور آخرت کو خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (خیر اور باقی رہنے والی) فرمایا ہے ۔ ہر چند ہر مذہب نے جسمانی موت کو حیاتِ انسانی کی آخری حد قرار نہیں دیا ہے اور کسی نہ کسی صورت میں روح کو باقی مان کر اس کو دنیا کے نیک و بد اعمال کا کفیل بنایا ہے ۔ خواہ تناسخ کے ذریعہ سے جیسا ہندو مذاہب میں ہے خواہ ابدی روحانی زندگی کے ذریعہ سے جیسا عیسائی مذہب میں ہے ۔ مگر جو جدید اور مکمل نظام حیات بعد الموت کا اسلام نے تلقین کیا ہے وہ اپنی نوعیت میں

خاص۔ نہایت موثر اور دلکش ہے اور خوبی اس نظام کی یہ ہے کہ اس کی جڑ بھی توحید ہی ہے۔ اگر یہ نظام نہ بتایا جاتا تو توحید درجہ اختتام کو نہ پہونچتی ۔گویا نظام آخرت جہاں تک انسان کا تعلق ہے توحید کی ارتقائی انتہائی منزل ہے۔ جیسا کہ باب (۲) کے فقرہ ۲۰۔ کے نقشہ سے واضح ہے۔ خدا کو ماننا مگر آخرت کو نہ ماننا گویا انسانی زندگی کو لنڈورا رکھنا ہے۔ عملی جزئیات اس کی یہ ہیں کہ دربار خداوندی منعقد ہوگا۔ انسانوں کو دوبارہ ایسی زندگی اور ایسی استعداد دیجائے گی کہ وہ خدا کو دیکھ سکیں گے اور اپنے اعمالِ دنیا کا حساب کتاب دیں گے اور اس کے موافق سزا و جزا کے مستحق ہوں گے۔ پھر دنیاوی زندگی کی بشمایہ بیوں کا خیال کرکے ان کے ساتھ مناسب رعایتیں کی جائیں گی۔ جن کا نام شفاعت اور فضل ہے۔ ذیل کی آیتیں اس کل مضمون پر عجیب و غریب روشنی ڈالتی ہے

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۔ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا

رکھو کہ دنیا کے فائدے تھوڑے ہیں اور آخرت بہتر ہے پرہیزگاروں کے واسطے اور ان پر مطلق زیادتی نہ ہوگی) وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۔ اور تحقیق قیامت آنے والی ہے۔ اس میں شک نہیں اور یہ کہ اٹھاویگا اللہ تعالیٰ ان کو جو قبروں میں ہیں۔ وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا ۔ اور ہر ایک آدمی کی گردن میں ہم نے اسکا اعمالنامہ باندھ دیا ہے اور قیامت میں ہم اسکو کتاب بناکر نکالیں گے کہ وہ اس کو کھلا ہوا دیکھیگا۔ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ ۔ قیامت میں اعمال کا تلنا حق ہے۔ فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۔ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ۔ پس جس شخص کی

تول بھاری ہوگی وہ اچھے عیش میں ہے اور جس کی تول ہلکی ہوگی اسکی جگہ دوزخ ہے۔ وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۔ اور جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور وہ بُری جگہ ہیں۔ اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلاً۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے جنت الفردوس قیامگاہ ہے۔ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا۔ وہاں بیہودہ اور گناہ کی بات سننے میں نہ آئیگی۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔ بہت سے لوگ قیامت میں خوش ہونگے اور اپنے رب کا دیدار حاصل کریں گے۔

۲۔ حیاتِ بعد الموت کے چند مراتب مولوی عبدالحق صاحب مرحوم مصنف تفسیر حقانی نے اپنی کتاب عقائدالاسلام میں اس طرح بیان فرمائے ہیں۔

"موت کے بعد میّت کی روح اُس کے جسم سے جدا ہوتی ہے۔ اور حقیقت میں اس جدائی کا نام موت ہے۔ یہ جسم جو بمنزلہ مرکب کے تھا گل سڑ جاتا ہے اور روح کہ جس کو حکماء نفس ناطقہ کہتے ہیں قائم رہتی ہے سو اُس کو سزا و جزا دیجاتی ہے۔ اس امر میں کل متفق ہیں چنانچہ ہنود کہتے ہیں کہ جو لوگ اس جہان میں بے بندگی و عبادت یعنے کمالات حاصل کئے بغیر مرجاتے ہیں تو وہ پھر کسی اور بدن میں جو اس کے عمل کے مناسب تھا آتے ہیں۔ اگر بہادر تھا تو شیر کے بدن میں اور بزدل تھا تو خرگوش کے قالب میں ظہور کرتا ہے علیٰ ہذا القیاس ایک جسم کے بعد دوسرے میں جاتا ہے۔ جب وہ اپنے کمالات حاصل کرچکتا ہے اور کدورت سے صاف ہوجاتا ہے تو پھر عالم قدس میں ملائکہ کے ساتھ رہتا ہے اور اُس کو وہ

اواگون یعنے تناسخ کہتے ہیں حکمار کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد جو لوگ
کمالاتِ علمیہ وعملیہ حاصل کر چکے ہیں وہ عالم قدس میں جا ملتے ہیں اور جنکو
کدوراتِ جسمانی اعنی جہالت و بداخلاقی سے صفائی نہ تھی وہ وہاں عذاب
پاتے ہیں یعنی افسوس و غم کھاتے ہیں اور اس کو وہ روحانی دوزخ کہتے
ہیں اور جسمانی دوزخ سے اس کو سخت تبلاتے ہیں۔ اہل کتاب کے ہاں
فقط اسی قدر ہے کہ جو لوگ گناہوں سے بچتے ہیں وہ وہاں نجات پاتے
ہیں ورنہ تکلیف اٹھاتے ہیں اور کچھ مفصلاً احوال نہیں البتہ انجیل مکاشفات
یوحنا میں دوزخ اور جنت اور کچھ وہاں کے عذاب و ثواب کی بھی تصریح
ہے کہ کچھ ذکر اس کا آگے آویگا لیکن قرآن نے کہ سب کی تکمیل کے لئے
بعد میں آیا ہے۔ اس امر عظیم کو جو کتب سابقہ میں وضاحت و تفصیل سے
بیان نہ تھا بیان کر دیا لہذا اہلِ اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ جو لوگ دنیا
میں قوت نظریہ و قوت عملیہ میں کامل ہیں (قوت نظریہ کے کمال سے یہ
مراد ہے کہ موافق شرع کے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو جانتے ہیں اور
رسول کو برحق مانتے ہیں اور جس قدر چیزوں کی رسولؐ نے خبر دی ہے انکو
سچا جانتے ہیں اور اس کو ایمان کہتے ہیں اور قوت عملیہ کی تکمیل سے یہ مراد
ہے کہ اپنے اخلاق کو درست کرتے ہیں یعنی جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے رسولؐ
کی معرفت منع کی ہیں اُن سے بچتے ہیں اور جن کا حکم دیا ہے انکو بجا لاتے
ہیں) تو وہ لوگ مر کر عالم قدس یعنے علیین میں کہ جو برزخ ہے حشر تک
رہتے ہیں۔ بعد خراب ہوئے اس عالم کے یعنی قیامت کے بعد کہ جب ان کو
کمال تزکیہ حاصل ہو جاتا ہے عالم قدس کے اعلیٰ طبقے میں کہ جس کو جنت
کہتے ہیں جاتے ہیں اور وہاں ہمیشہ رہیں گے اور ہر قسم کی لذات حاصل کرینگے

اور جو لوگ علم و عمل میں ناقص تھے اور نقصان دو طرح پر تھا ایک یہ کہ خدا کا کسی کو کسی صفت میں شریک سمجھا یا اس کی کسی صفت کا انکار کیا یا اس کے رسول یا اس کی فرمائی ہوئی بات کو جھوٹ سمجھا یا اس کے ساتھ اور کو برابر کیا اور اس کو کفر اور شرک کہتے ہیں تو وہ ہمیشہ وہاں عذاب پاویگا اور طرح طرح کے عقوبات اٹھاوے گا اور سجین یعنی دوزخ کا اول درجہ ہے رہیگا۔ اور بعد حشر کے جہنم کی آگ میں تزکیہ کے واسطے ڈالا جاویگا جس طرح کہ چیکٹ کو آگ سے دور کرتے ہیں اسی طرح ان کو کریں گے لیکن جو تمام چیکٹ ہو گیا اس کو چیکٹ سے صفائی نہ ہوگی سو اسی وجہ سے یہہ لوگ ہمیشہ جلتے رہیں گے۔ قرآن میں ایک جملہ اسی بیان میں کیا ہی اعجاز رکھتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا۔ کہ فلاح پائی جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا اور خسارہ میں رہا جس نے آلودہ کیا اس کو۔ اور دوسرا نقصان یہ کہ یا تو علم میں کچھہ نقصان ہوا کہ بعض امور کو برخلاف یقین کر لیا۔ جیسا کہ اہل سنت کے غیر اور فرقہ اسلامیہ کے بعض بعض معتقدات ہیں یا عمل میں نقصان کیا کہ خدا کے اوامر و نواہی پر عمل نہ کیا۔ اخلاق کو خراب کر لیا تو وہ بھی اسی عالم میں عذاب پاویں گے پھر ان کی نجات کی یہ صورت ہوگی کہ جس کا جس قدر نقصان ہے اسی قدر تکلیف دے کر اس کا تزکیہ کیا جاویگا بعض کو عالم برزخ میں صفائی ہو جاوے گی۔ بعض کو کہ جن کا نفس کدورات سے زیادہ ملوث ہے آگ جہنم سے صفائی ہوگی پھر جب تزکیہ ہو چکے گا تو عالم قدس میں مل جاوے گا یا اللہ تعالیٰ اپنی رحمت خاصہ سے اور بعض کو نبی علیہ السلام کی شفاعت سے صاف کر دیگا اور عالم قدس میں ملا دے گا۔

تنبیہ عالم آخرت کو ہر کوئی آنکھ سے دیکھ کر تو آیا ہی نہیں کہ اپنے مشاہدہ کو سند بنا لیوے۔ اب اس کے دریافت کی دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو حکماء مشائین اپنی عقل کے زور سے بدلیل ثابت کریں سو اس عالم کا مجملاً احوال تو بلا شک عقل سلیم سے دریافت ہو سکتا ہے لیکن تفصیل سے دریافت کرنے میں عقل قاصر ہے اور کیوں نہ قاصر ہو حالانکہ اس عالم کے صدہا امور معلوم نہیں جیسا کہ مقدمۂ کتاب میں بیان ہوا یا حکماء اشراقین اپنے اشراق سے دریافت کریں۔ سو یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ نبی کا نفس اشراق و مکاشفات میں سب نفوس سے کامل اور بڑھ کر ہوتا ہے اور اسکے اشراق کے آگے اوروں کا اشراق اس طرح خیرہ ہے کہ جس طرح ذرہ آفتاب کے روبرو۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو وحی ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ بذریعہ فرشتہ اُن پر مغیبات ظاہر فرماتا ہے اور یوں بھی اُن کو عیاناً دکھلا دیتا ہے اور ان کو خلق کے لئے ہادی بنا کر بھیجتا ہے اس لئے غلطی نہ ہونے میں آپ اُن کا محافظ اور حامی ہوتا ہے۔ سو نہ اُن کے مشاہدات میں غلطی ہونے دیتا ہے نہ حسیات میں۔ بخلاف اور اشراقین کے کہ اُن کے اشراق بلکہ کبھی حسیات میں بھی غلطی ہو جاتی ہے۔ لہذا ایک دوسرے کا رائے میں مخالف ہوتا ہے اور یہ بھی ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ و آلہ سلم نبی ہیں بلکہ سب کے امام ہیں سو آپ کو عالم آخرت عیاناً بارہا خدا نے دکھلایا بھی ہے اور بذریعہ وحی خبر بھی دی ہے پس جہاں تفصیلِ عالم آخرت میں باہم اختلاف ہے وہاں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم امام الاشراقین معلم النبیین کا قول سند ہے اور سب اُن کے مقابلے میں غلط ہیں ؁

۳- غیر مسلم حضرات ان میں سے کسی کا یا سب کا یقین نہ کریں مگر اس کی داد دئے بغیر غالباً نہ رہ سکیں گے کہ انسان کی عملی زندگی کے لئے اگر کوئی قابلِ علم سہل۔ موافق فطرت اور مؤثر نظام تصنیف ہو سکتا ہے تو وہ نظام اسلام ہے جس کے مدارج حسب ذیل ہیں:-

(۱) ایک خدا حی و قیوم۔ قادر و عادل۔ لاشریک لہ ہے۔ اور اسی نے دنیا اور انسان کو پیدا کیا ہے۔

(۲) انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر اسے عقل و ایمان اس لئے عطا کیا ہے کہ وہ اس دنیا کو اچھی طرح سے برتے۔ موت کے لئے مستعد ہو اور مرنے کے بعد اپنے خالق کے سامنے جانیکو تیار ہو۔

(۳) وہاں آخری سزا اور جزا ہوگی

(۴) سب سے بڑی نعمت دیدار الٰہی ہوگی اور سب سے بڑا عذاب۔ اس سے محرومی۔

یہہ عقائد کا لب لباب ہے اس کے بعد ارکانِ دین ہیں مثل نماز روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ۔ جن کی خوبیاں اپنی اپنی جگہ پر ہیں۔ ان کے بعد اعمال اخلاقی ہیں جو اوامر و نواہی کے سلسلے میں منضبط کر دئے گئے ہیں۔ یہ تینوں تعلیمیں کچھہ ایسی خوبصورتی کے ساتھ دی گئی ہیں۔ کہ ہر طبقہ کے مسلمان پر ان کا گہرا اور دماغ اور قلب کو روشن کرنیوالا اثر پڑتا ہے۔

اسلام میں فلسفہ بھی ہے جس میں ماہیتِ علم۔ روح وغیرہ سے بحثیں کی گئی ہیں اور تصوف بھی ہے جس میں آئرز کورس کے

طالبوں کو معرفت الٰہی کا راستہ دکھایا جاتا ہے مگر اوسط تعلیم اسلام کی جو ہر کہہ و مہ کو آسانی کے ساتھ منزل مقصود کو پہونچا دے۔ وہ یہی ہے جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے۔ صحیح اعتقادات رکھنے صحیح عبادات اور اعمال پر کاربند ہونا۔ صحیح تمدن قائم رکھنا اور ان سب کے ساتھ ایک دن اپنے خالق کے سامنے جانے کا خیال رکھنا۔ قطعاً انسان کو حیاتِ بعد الموت کے واسطے کافی طور پر تیار کرتا ہے۔

موت اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنے آگے چلیں گے دم لیکے

---

(۷)

اس باب میں یہ بیان کیا جائیگا کہ اسلام میں کوئی خلاف فطرت یا خلافِ تہذیب و تمدن بات اصل قرار نہیں دی گئی۔ فرائض زندگی کو پوری اہمیت دی گئی ہے۔ دوسرے مذہبوں کا احترام بتایا گیا ہے اور اس میں ایسی لچکداری ہے کہ فروعات میں مختلف ملکوں اور مختلف وقتوں کی ضرورتوں کے اعتبار سے مناسب ترمیمیں ہو سکتی ہیں۔ بڑے بڑے مصنفین نے دلائل و براہین کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ اسلام فطرت کے موافق ہے اور صحیح تہذیب و تمدن کا سرچشمہ ہے۔ پہلے ہم مختصراً ان میں سے چند بزرگوں کی رائیں نقل کرتے ہیں اور پھر جو کچھہ جدید علوم کی روشنی میں فطرت اور تہذیب و تمدن کے معنے قرار دئے گئے ہیں۔ ان کی رُو سے ثابت کریںگے کہ اسلام اس ترازو میں بھی پورا اترتا ہے۔

ڈاکٹر گسٹاولی بان "اسلام وہ مذہب ہے جس کے اعتقادات کو مسائل علوم طبعی کے ساتھ
پورا انطباق ہے۔ اس میں شک نہیں کہ فلسفیانہ خیال سے بودھ
مذہب کے اعتقادات کو تمام سیاطیقی مذاہب کے اعتقادات پر
ترجیح ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی جب مذہب بودھ کو عوام کی
سمجھ کے مطابق بنانے کی ضرورت پڑی تو اس میں ایک انقلاب
کلّی کرنا پڑا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ یہ ترمیم شدہ مذہب۔ اسلام سے
بہت گھٹ گیا"

ایم۔ڈومی سنٹ ہیلر "اسلام میں کوئی بات مشتبہ یا قدرت کی باتوں سے بڑھ کر
بطور عجوبہ کے نہیں ہے۔ مذہب اسلام خود اس بات کے
مخالف ہے کہ وہ کسی پردہ میں پوشیدہ کیا جائے"......
"وہ ابتدا ہی سے ایسا صاف اور سچا ہے جتنا کہ ہونا ممکن ہے"

لائٹنر صاحب "اسلام میں ہر مسلمان کو قرآن کے معنے بیان کرنیکا اختیار رہے
اس باعث سے وہ بڑا پائدار مذہب ہے اور ہر فرقہ اور ہر ملک
کے موافق حال بن سکتا ہے"

۲۔ فطرت انسانی کا مضمون نہایت وسیع ہے اور ہزاروں باتیں اس میں شامل ہیں۔ بعض باتیں ایسی ہیں جو ہر انسان کو لاحق ہوتی ہیں۔ مثلاً بھوک پیاس وغیرہ۔ بعض باتیں خاص عمر یا خاص حالت سے تعلق رکھتی ہیں۔ جیسے شباب میں مناکحت یا مقدور ہونے پر اچھا کھانا پہننا مصیبت میں لوگوں سے ہمدردی کی توقع جسمانی محنت کرنے والوں کو جسمانی آرام یا دماغی محنت کرنے والوں کو دماغی تفریح۔ یہ اور مثل ان کے دیگر بلحاظ تقاضائے بشری۔ بقائے نفسی اور بقائے نوعی وغیرہ کے بڑے جذبات میں شامل ہیں

پھر جو انسان ادنےٰ درجۂ انسانیت سے اعلیٰ درجہ کی طرف رجوع کرتے ہیں
ان کو خدمتِ خلق اللہ۔ خدمتِ علم۔ معرفت الٰہی وغیرہ وغیرہ کے اعلیٰ جذبات
فطری طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ اب فطری مذہب اسے کہیں گے جو اپنی اپنی
جگہ پر اعتدال کے ساتھ ان سب ضرورتوں کو پورا کرنے کی اجازت دے بلکہ
بعض اُن شقوں میں جو بقا و فلاح سوسائٹی سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ قریب قریب
حکم کے دیدے تاکہ جو لوگ ان کی رمز کو اچھی طرح نہیں سمجھتے۔ عملاً تو ان سے
مستفید ہو جائیں۔ اسلام نے ایسا ہی کیا ہے اور اسی لئے وہ فطری۔ مہذب
اور متمدن مذہب کہلائے جانیکا مستحق ہے۔ اسلام کے عقائد۔ ارکان اور
اوامر و نواہی پر کامل غور کرنے سے ایک نہایت مفید فہرست تیار ہو سکتی
ہے کہ یہ تعلیمات کن کن فطری جذبات اور رجحانات کو پورا کرتی ہیں۔
مگر یہ کام بہت مشکل ہے اس لئے ہم ذیل کے نقشہ میں بطور مشتے نمونہ از خروارے
صرف چند کی تشریح کرنے پر بادل ناخواستہ قناعت کرتے ہیں۔

نمبر شمار	تعلیم اسلام	کن کن فطری جذبات کو پورا کرتی ہے	کیفیت
	عقائد		
۱	توحید باری تعالےٰ (تفصیل کے لئے دیکھو باب (۲))	(۱) ترقی و ارتقاء حیات انسانی۔ بفحوائے كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ وہ ہر وقت ایک شان یعنی ظہور کمال میں ہے۔ (۲) نظام انسانیت میں وحدت افکار و افعال (۳) اپنے نقائص پورے کرنیکے لئے	فطری انسان فطری ارتقاء صرف توحید سے حاصل کرسکتا ہے

نمبر شمار	تعلیم اسلام	کن کن فطری جذبات اور رجحانات کو پورا کرتی ہے	کیفیت
		ایک کامل ذات کیطرف رجوع کرنا۔	
۲	رسالت (عادت اللہ ہے کہ مخلوق کی ہدایت کیلئے اپنے برگزیدہ بندوں کو پیغمبر بنا کر دنیا میں بھیجتا ہے۔	(۱) معراج انسانی کا پتہ لگانا (۲) احکام خداوندی کے قابل عمل ہونیکا یقین۔ (۳) امید شفاعت۔	ذرائع ارتقاء میں بعد توحید کے سب سے زبردست ذریعہ ہے۔
۳	قرآن (جو پیغمبر پر اللہ نے بذریعہ وحی نازل فرمایا)	(۱) اپنے خالق کے صفات و احکام سننا۔	بندہ کا خدا کا مخاطب بننا کس قدر شرف و افتخار کی بات ہے۔
۴	قیامت۔ (حشر و نشر۔ حساب کتاب۔ جزا و سزا۔ شفاعت و فضل۔	(۱) ہر شخص کا سب کچھ ایک روز سامنے آجائے۔ (۲) منزل حیات کی تکمیل (۳) حساب کتاب کی بیباقی	یہ بڑا قوی جذبہ ہے۔ عدل و انصاف کی زبردست فطری خواہش اسی سے پیدا ہوتی ہے
۵	**عبادات** نماز۔ روزانہ پانچ جماعت جمعہ۔ عیدین۔ نماز استسقاء و نماز جنازہ۔	ملاحظہ ہو فقرہ ۴۔ باب ۳۔ روزانہ محلہ کے لوگوں کا جمع ہونا جمعہ میں شہر بھر کے لوگوں کا جمع ہونا عیدین میں دور دور کے آدمیوں کا جمع ہونا۔ قحط کا سامنا ہو تو سب کا ملکر دعا مانگنا۔ نماز جنازہ کے ذریعہ سے میت تک کے ساتھ ہمدردی کرنا۔	اگر اسلام میں سوائے نماز کے کوئی اور عبادت نہ بھی ہوتی تب بھی اسی سے انسانوں کو اجتماعی زندگی کے بیشمار حقیقی فوائد حاصل ہو جاتے۔

نمبر شمار	تعلیم اسلام	کن کن فطری جذبات اور رجحانات کو پورا کرتی ہے	کیفیت
		اجتماعی رجحانات میں اور کیا باقی رہ گیا۔	
۶	حج - احرام باندھ کر شاہ و گدا سب ایک حالت میں ہوتے ہیں۔	مساوات کی معراج	
۷	روزہ	تربیت نفس اور انسانوں کی مصیبت میں انکا شریکِ حال ہونا۔	
۸	زکوٰۃ		
	اوامر		
	عمدہ خصائل عمدہ تمدن (نکاح بیاہ بیع شرا وغیرہ) ترقیٔ عامہ	بقاء و فلاح سوسائٹی کا جذبۂ کبیرہ جو قطعاً فطری ہے ان خوبیوں کو مانگتا ہے۔	
	نواہی		
	زنا نشہ چوری جھوٹ ایذا رسانی جوا سستی کاہلی وغیرہ	فطرتِ سلیم ان سے اسلئے بھاگتی ہے کہ انسے نظام سوسائٹی کو نقصان عظیم پہنچتا ہے اور سوسائٹی کا نقصان اپنا نقصان ہے جسکو دفع کرنیکا تقاضا فطری ہے۔	

۳۔ فطرت کے خلاف نہونا یا فطرت کے موافق ہونا تو ابتدائی مدارج ہیں۔ ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ اسلام عین فطرت ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔ اَلْاِسْلَامُ هُوَ الْفِطْرَةُ وَالْفِطْرَتُ هُوَ الْاِسْلَام۔ اس کی علت غائی بھی ہمیں عقیدۂ توحید میں ملتی ہے یعنے ایک خالقِ حقیقی ہے۔ اس نے انسان میں بعض رجحانات اور جذبات پیدا کئے۔ پھر بمقتضائے عدل و فضل ایسا دستور العمل دیا جو اس کی فطرت کی مدد کرکے اس کے ارتقاء کا باعث ہو۔ نیز اپنے پیغمبر کے اعمال و افعال سے ثابت کرا دیا کہ یہ دستور العمل قابلِ عمل ہے۔ بہ تبدیلِ الفاظ انسان فعلِ خدا ہے اور مذہب قولِ خدا۔ ان دونوں میں تطابق لازم ہے۔ جو انسان اسلام سے کم کے دستور العمل پر قناعت کرے اس کی نسبت یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ یا وہ اپنے حقِ پیدائش سے واقف نہیں ہے یا اپنے آپ کو اس سے محروم رکھ رہا ہے۔

۴۔ دوسرے مذاہب کا احترام کرنے کی تاکید اس آیتِ شریفہ میں کس قدر سادگی کے ساتھ کی گئی ہے۔ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ جو لوگ غیر اللہ کو پکارتے ہیں۔ ان کو برا نہ کہو۔ ایسا نہ ہو وہ اللہ کو جل کر ناواقفیت میں برا کہنے لگیں۔ یہ تو خدا کا کلام تھا۔ غیر مسلم محققین کی سنئے کہ رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ میں ایک صاحب لکھتے ہیں کہ "حضرت محمدؐ نے قومی معاملات میں حق رسانی۔ فتح کرنے میں

رحم اور حکمرانی کرنے میں اعتدال اور سب سے مقدم دوسرے

مذہب کی عدم مزاحمت کے احکام قرار دئے ہیں۔

"اسلام کی تاریخ میں ایک ایسی خاصیت پائی جاتی ہے جو دوسرے مذاہب کو غیر آزاد رکھنے کے بالکل برخلاف ہے۔ اسلام کی تاریخ کے ہر صفحہ میں اور ہر ملک میں جہاں اسکو وسعت ہوئی دوسرے مذہب سے مزاحمت نہ کرنا پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ فلسطین میں ایک عیسائی شاعر لامارٹین کہتا ہے کہ صرف مسلمان ہی تمام روئے زمین پر ایک قوم ہے۔ جو دوسرے مذاہب کو آزادی سے رکھتی ہے۔ اور ایک انگریز سیاح سلیڈن نے مسلمانوں پر یہ طعن کیا ہے کہ وہ حد سے زیادہ دوسرے مذہب کو آزادی دیتے ہیں" (خطوط ہم نے کھینچے ہیں ماخوذ از صفحات ۵۱ و ۵۲ - دلائل فضائل اسلام۔ حصہ چہارم جلد دوم - اس بڑی صفت کی محرک بھی توحید ہے۔ یعنے سب اللہ کے بندے ہیں اور حالتِ ارتقا میں ہیں۔ اگر ابھی تک کوئی اسلام تک نہیں پہونچا تو اس پر زیادتی کیوں کی جائے۔

۵ - فرائض زندگی کو اہمیت دینے کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ اسلام نے ایک طرف تو لَا رُہْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَام کا حکم جاری کردیا اور دوسری طرف حقوق العباد حتےٰ کہ خود انسان کے نفس تک کا حق مقرر کردیا۔ ایسی ایسی معتبر روایتیں موجود ہیں کہ ایک عورت کا شوہر دن میں تو کاروبار میں مصروف رہتا تھا اور رات کو نوافل میں بہت سا وقت صرف کرتا تھا عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی تو

آپ نے منع فرما دیا کہ بیوی کا بھی حق ہے۔ فرائض زندگی میں تندرست رہنا۔ محنت مشقت سے اکل حلال پیدا کرنا۔ اپنے آپ کو اور مستحقین کو اس سے بہرہ مند کرنا۔ علم۔ مذہب اور خلق کی علےٰ قدرِ استطاعت خدمت کرنا۔ وغیرہ وغیرہ ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے لئے بیشمار سہل العمل نصائح قرآن پاک اور حدیث شریف میں موجود ہیں۔ مسلمان کا صحیح نصب العین ترقی کرنا ہے خواہ وہ ترقی مادی ہو یا روحانی۔ جیسے اس حدیث شریف سے ظاہر ہے۔

مَنْ اِسْتَوٰے یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ وَمَنْ کَانَ یَوْمَہٗ شَرًّا مِنْ اَمْسِہٖ فَھُوَ مَلْعُوْنٌ۔ (جس شخص کے دو دن یکساں گذر گئے وہ غبن شدہ ہے اور جس کا آج کا دن گذشتہ دن سے بدتر ہے وہ لعنتی ہے) رواہُ البیہقی۔ وحضرت علیؓ مرفوعاً۔

۶۔ فروعات میں اس قدر گنجائش ہونی کہ ہر ملک اور ہر زمانہ کے موافقِ حال ہو سکے۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ جو اسلام کا مینیمم (اقلِ قلیل) ہے وہ اس قدر سادہ اور سہل ہے کہ کسی ملک اور کسی زمانے میں اس کے اختیار کرنے میں کسی قسم کی دقت نہیں۔ مثلاً توحید باری تعالےٰ عقائد میں۔ نماز ارکان میں۔ اور تاہل معاملات میں۔ یہہ تو اصل ہیں۔ ان کے فروع میں حسب ضرورت ترمیم ہو سکتی ہے۔ اس مضمون پر میں نے رسالہ اقلِ قلیل اسلام میں مفصل بحث کی ہے۔ وہاں ملاحظہ ہو۔

(۸)

سب مذہبوں نے غالباً اپنے متعلق اس کے مثل کہا ہے مگر اسلام نے تو قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۔ اللہ کے نزدیک دین تو اسلام ہی ہے ۔ اور وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ ۔ جو سوائے اسلام کے دوسرا دین اختیار کرے گا اس سے وہ قبول نہ کیا جائیگا ۔ ایسی صورت میں کوئی درمیانی راستہ تجویز کرنا مداہنت اور ضعفِ اعتقاد کی دلیل ہے ۔ مگر ہم خود اپنی بد اعمالیوں اور بدبختیوں خصوصاً تبلیغی کوششوں کی کوتاہیوں کو شرمندگی کے ساتھ مدنظر رکھتے ہوئے اور یہہ دیکھکر کہ فی زماننا عقلائے دنیا محض تبدیلِ مذہب کو زیادہ با وقعت نہیں سمجھتے بلکہ اسکے بجائے انسان کے اخلاقِ فاضلہ اور عام نکوکاری کی زیادہ قدر کرتے ہیں ۔ اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ اگر دنیا کھلم کھلا اسلام نہ بھی قبول کرے تو ہمیں اس ابتدائی مگر اہم درجہ پر قناعت کر لینی چاہئے کہ وہ اپنی عملی زندگی میں خالص اسلامی اصول اختیار کرے ۔ ذیل میں ہم اس خار زار نظریہ کی وضاحت کرنے کی کوشش کریں گے ۔ اور یہہ ثابت کرنا چاہیں گے کہ گو دنیا کھلم کھلا اسلام قبول نہ کرے مگر عملی زندگی میں خالص اسلامی اصول اختیار کرنے پر مجبور ہے ۔ دیر یا سویر ۔

ہمارا روئے سخن خاص طور پر ممالک متمدنہ کی طرف ہے جن کی تہذیب اور تمدن کی دنیا بھر میں دھاک ہے ۔ وہاں کے لوگوں میں بیشمار خوبیاں ہیں اور وہ بیشمار ایسی ۔ چھپی اور کھلی نیکیاں کرتے ہیں کہ کوئی منصف مزاج آدمی ان کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ مثلاً غرباء کی تعلیم و عام بہبودی ، شفاخانے ۔ یتیم خانے ۔ کوڑی خانے ۔ محتاج خانے ۔ جیلخانوں ۔ کوتوالیوں اور فحش خانوں میں وعظ و نصیحت کا انتظام ۔ علم و تحقیقات کی آبیاری وغیرہ وغیرہ

جن ملکوں کا مایہ افتخار صرف یہ ہے کہ ہمارے بزرگ ان سے بھی زیادہ مہذب اور متمدن تھے اور "پدرم سلطان بود" - تراچہ" کے تازیانہ سے بے پرواہی برتتے ہیں ان کو بھلا کیا حق ہے کہ ممالک متمدنہ کی بیشمار خوبیوں کو تو نظر انداز کر دیں مگر ان کے گنے چنے عیوب کو طشت از بام کریں - ہمارا منشاء ایسا کرنے کا نہیں ہے - نہ ہمیں اُن کی خوبیوں پر رشک ہے نہ ان کے نقائص کی نکتہ چینی کرنی منظور ہے - ہم تو صرف ایک اصولی بحث کرنا چاہتے ہیں اور اَلْاِسْلَامُ ہُوَ الْفِطْرَتُ وَالْفِطْرَتُ ہُوَ الْاِسْلَامُ (اسلام فطرت ہے اور فطرت اسلام ہے) اور کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلٰی فِطْرَتِ الْاِسْلَامِ (ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے) کے دعوے کے تحت میں یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اقوام متمدنہ کی خوبیوں میں اصولِ اسلام کی بنیاد ہے اور ان کی برائیاں اصولِ اسلام سے منحرف ہونیکا نتیجہ ہیں - اس بحث میں تین اہم باتیں ذہن نشین کرنی چاہئیں -

اوّل یہہ کہ اسلام حقیقتاً صرف اُس مذہب کا نام نہیں جو عرب میں ساڑھے تیرہ سو برس ہوئے ظاہر ہوا - بلکہ از روئے واضح اور صریح تعلیم اسلام کے وہ انسان کا سب سے ابتدائی مذہب ہے جو ارتقائی مدارج میں مختلف ناموں مثل یہودی اور نصرانی کے ساتھ موسوم ہوتا ہوا اپنی آخری تکمیلی شان میں اسلام کہلایا -

دوئم یہہ کہ ایشیائی طبائع اِتقاء نفس مثل لازمی عبادات جسمانی ریاضات وغیرہ پر زیادہ زور دیتی ہیں اور مغربی طبیعتیں اتقاء پبلک مثل تعلیم غرباء - پرورش یتامیٰ وغیرہ کو زیادہ ضروری سمجھتی ہیں - ایشیائی نقطہ نظر سے ایک عابد زاہد اپنے مذہب کی منہیاتِ شرعیہ سے بچنے والا قابلِ احترام ہے گو اس نے کسی یتیم خانے - شفاخانے یا کوڑھی خانے کے لئے عمر بھر کچھ نہ کیا ہو - مغربی نقطہ نظر سے وہ دنیادار جو ڈنر کے ساتھ دو ایک پیگ شراب کے پی لے

نامحرم عورتوں کے ساتھ شریکِ رقص ہو۔ گھوڑدوڑ میں بازی لگائے وغیرہ وغیرہ مگر جو کسی یتیم خانہ کا اعزازی سکریٹری ہے یا کسی شفاخانے۔ اسکول وغیرہ کا دن میں دو چار گھنٹے دیانت اور تندہی کے ساتھ کام کرتا ہے۔ قابلِ عزت ہے۔

سوئم یہہ کہ ہرچند ایشیا کو بجا طور پر ناز ہے کہ ہم ازل سے مذہب۔ حکمت و فلسفہ اور تہذیب و تمدن کا سرچشمہ رہے ہیں اور گو ہمارا سونا انقلاب زمانہ سے کسی قدر زنگ آلود ہو گیا ہے مگر وہ دن دور نہیں ہے جب وہ پھر چمکیگا اور بہت سی قوموں کی مُلمّع کاری اس کے آگے ماند ہو جائیگی۔ تاہم دنیا کی موجودہ ترقیات پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا اور ایک گروہ کثیر کو یہہ اندیشہ ہے کہ جلد یا بدیر مغربی تہذیب و تمدن اپنے مادی کمالات کی وجہ سے ساری دنیا پر چھا جائیگا جس کا بیّن ثبوت وہ اصلاحات ہیں جو زمانہ کی رفتار کا ساتھ دینے کے لئے جاپان اور ٹرکی نے اپنے اپنے نظام میں کی ہیں۔ اگر وہ وقت آنیوالا ہے تو اسلامی نقطۂ نظر سے کس قدر ضروری ہے کہ مغربیات میں اصول اسلامی کو داخل کیا جائے تاکہ رفتہ رفتہ وہ ساری دنیا کا دستور العمل بنجائیں۔ یہہ اسلام کی ایک حقیقی تبلیغی خدمت ہوگی۔

۴۔ اب نفسِ مضمون کی طرف رجوع کرنے میں ہم علامہ کینز کے نظریہ کا (جس کی وضاحت ہم نے اپنے رسالہ فغانِ قاری کے صفحات ۴۶ و ۴۷ پر کی ہے) خلاصہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی رائے میں دنیا کی موجودہ بدامنی اور غربار کی پامالی غیر منطقی اور غیر ذمہ دارانہ ذہنیت کا منطقی نتیجہ ہے اور جبتک یہ ذہنیت صحیح عقائد و صحیح خیالات کے ذریعہ

سے تبدیل نہ کی جائیگی۔ اسوقت تک موجودہ مخدوش صورتِ حالات کا بدلا جانا محالِ عقلی ہے۔ ہم مؤدّبانہ یہ عرض کرتے ہیں کہ وہ ذہنیت صرف اصولِ اسلام کو اختیار کرنے سے تبدیل ہو سکتی ہے جیسا بطور نمونہ کے مندرجہ ذیل نقشہ سے واضح ہوگا۔

نمبر شمار	مغربی تہذیب و تمدّن کے بعض نقصانات	کن اسلامی اصول کے اختیار کرنیسے ان کی اصلاح ہو سکتی ہے
۱	حکمران قوموں میں اپنی قومی اور نسلی فوقیت کا مستحکم عقیدہ۔	صرف نکوکاری کی فوقیت۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ اللہ کے نزدیک سب سے بہتر وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ نیک ہو
۲	عیش و عشرت اور لہو و لعب کی کثرت اور دولت و ثروت کی ہوس۔	آخرت کا خیال رکھنا وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی دنیا کی زندگی تو لہو و لعب ہی ہے مگر آخرت عمدہ اور سب سے زیادہ پائیدار ہے
۳	زناکاری۔ جوا اور نشہ کی کثرت۔	اسلام کی طرح ان کو قانونِ ملکی میں کُلّیۃً (مثل حرام کے) ممنوع اور قابلِ تعزیر کرنا۔
۴	کامیاب زندگی میں موت سے بھاگنا۔ غیر کامیاب زندگی میں خودکشی کا میلان۔	موت کو زندگی کا تکملہ سمجھنا اور مصیبت میں مایوس نہ ہو جانا۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو

جن قوموں نے ادائے فرضِ منصبی کے پاک احساس کو بطورِ عقیدۂ ایمانی کے اپنا نصب العین بنا لیا ہو جن کی ہمت کی جولانگاہ نہ صرف ساری دنیا کی زمین ہو بلکہ جنہوں نے ہوا۔ بجلی اور فضائے آسمانی تک کو

مسخر کرلیا ہو ان کی نسبت جی لوٹتا ہے کہ کاش وہ چند حیات پرور اسلامی اصول اور اختیار کرلیں تاکہ ان کا وجود دنیا کے لئے ابر رحمت بن جائے۔

۳- اب رہی یہ بات کہ دنیا خالص اسلامی اصول اختیار کرنے پر مجبور ہے۔ اس پر غور کرنے کے دو طریقے ہیں - ایک یہہ کہ دنیا کا اخلاقی احساس اس قدر بڑھتا جاتا ہے کہ وہ بغیر اعلیٰ عملی اصول کے مطمئن نہ ہوگی اور اس وقت اسے طوعاً و کرہاً "ہماری دوکان" پر آنا پڑیگا۔ دوسرے یہہ کہ جن اقوام پر حکمراں اقوام کی طرف سے اسلامی اصول اختیار نہ کرنیکی وجہ سے مظالم ہوتے ہیں اُن کی بےچینی ناقابل برداشت ہوجائیگی اور وہ اپنا پیدائشی حق آزادی اور مساوات کا مانگنے کے لئے بغاوتیں اختیار کریں گے اور موت کو زندگی پر ترجیح دیکر ظالموں کو مجبور کردیں گے کہ وہ "ہماری دوکان" پر آئیں۔ ان دونوں باتوں کے آثار نمایاں ہوگئے ہیں اور جنگ عظیم نے جہاں جان و مال کا ناقابل تلافی نقصان کیا ہے وہاں یہہ احسان بھی دنیا پر کیا ہے کہ ہر دو متذکرۂ بالا احساسات قوی ہو رہے ہیں۔ جس کا ناقابل تردید ثبوت مسٹر ولسن کے چودہ اصول - لیگ اقوام کا تخیل اور پرانی پراتی سلطنتوں میں مطلق العنانی کا زوال اور جمہوریت کی ترقی ہے - اس مختصر مضمون میں پالیٹکس کو ملانا مقصود نہیں ہے بلکہ صرف یہہ اشارہ کرنا ہے کہ "زمین گول ہے" اور فطریت پر آتی جاتی ہے اور انجام کار وہ اس فطریت کی تکمیل کے لئے اعلیٰ فطری اصول اور اعلیٰ فطری دستور العمل کو ڈھونڈے گی اور اُسے بدرجہ کمال اسلام اور صرف اسلام میں

پائے گی۔ اپنی تنگ خیالیوں اور کوتاہ نظریوں کی پاداشں میں خواہ ہم غافل نام نہاد مسلمان دنیا میں پست ہو جائیں مگر اگر خدا ہے اور فطرت اس کی بنائی ہوئی صحیح اور موثر شے ہے تو ناممکن ہے کہ اسلام کے خالص فطری اصول جن کی وضاحت اس ناچیز رسالہ میں کی گئی ہے تاقیام قیامت آفتاب کی طرح نہ چمکتے رہیں اور قطعاً وہ قومیں فائز المرام ہوں گی جو ان کو اختیار کریں گی خواہ وہ مُسلم ہوں یا غیر مُسلم۔

---

(۹)

اس مختصر کتاب کا مضمون تو ختم ہو گیا مگر اپنی عادت سے مجبور ہو کر چند نصیحت کی باتیں بھی عرض کرنے کو میرا جی چاہتا ہے۔ سب کو نہیں۔ صرف اپنی جماعت۔ یعنی نئی روشنی۔ نئی تعلیم اور نئے تمدن کے مسلمانوں کو۔ اور وہ اس لئے کہ اقوام متمدنہ کے سامنے اسلام کا نمونہ بن کر پیش ہونے کی اہلیت ان میں بدرجۂ اولےٰ ہے۔ لہذا اگر ان کی عملی زندگیوں میں مغرب کی اندھادُھند تقلید نہ سرایت کر جائے بلکہ مناسب حد تک کی مغربیت کے ساتھ اسلام کی حقیقی تعلیم بھی نمایاں درجہ حاصل کرلے تو ان میں سے ایک ایک بلا وعظ و لکچر دیئے اور بلا حقانیتِ اسلام پر مضامین لکھے عملی مبلّغ اسلام ہو سکتا ہے۔ اور یہی اس کی نجات ہے۔ ہمارا سرچشمۂ تعلیم و تربیت "علیگڈھ" ہے۔ خدا اُسے صحیح و سلامت رکھے۔ آمین اور میں نے ہمیشہ اپنی تحریروں اور تقریروں میں اس بات پر

زور دیا ہے کہ جس خوبی کی قوم میں کمی دیکھو اس کی بنیاد "علیگڈھ" میں ڈال دو۔ پچھلی باتیں تو پرانی ہوگئیں۔ گذشتہ ماہ اگست میں ایک بزرگ نے ہم پرلے دے کی تھی۔ اس کا جواب میں نے اخبار ہمدم میں شائع کیا تھا۔ اس کو بطور نمونہ کے یہاں نقل کرتا ہوں۔

میں "علیگڈھ" کا اب تک ویسا ہی معتقد ہوں جیسا پہلے تھا اور تحریکِ علیگڈھ کو ہندوستان میں احیاءِ اسلام کا بہترین ذریعہ سمجھتا ہوں۔

" ۱۱ر اگست ۱۹۲۵ء کے روزانہ ہمدرد دہلی میں جناب مولانا عبدالماجد صاحب بی۔ اے۔ کا قابل قدر مضمون "علیگڈھ" پر میں نے بغور پڑھا۔ پندرہ بیس سال ہوئے میں نے ملازمت سے تین ماہ کی رخصت لیکر علیگڈھ کالج میں قیام کیا اور متعدد لکچر مذہب کی خوبیوں اور مذہب کی پابندی کے فوائد پر دئے جس میں طلباء اور اساتذہ شریک ہوتے تھے۔ اس کے کئی سال بعد علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں ایک سلسلہ مضامین شائع کیا جس میں "علیگڈھ تحریک" میں مذہبی روح پھونکنے پر زور دیا۔ بنابرآں اس وقت اس مضمون پر میرا قلم اٹھانا غالباً ناموزوں نہ ہوگا۔ جناب مولانا صاحب ممدوح نے علیگڈھ تحریک کی اہمیت پر جو گہر افشانی فرمائی ہے اُس سے مجھے دلی اتفاق ہے اور مثل اس کے بارہا میں اپنی تحریروں اور تقریروں میں عرض کرچکا ہوں۔ مگر جناب کی حسب ذیل عبارت کا اصل مفہوم اچھی طرح سمجھ میں نہیں آیا " مسلمان دوسری قوموں میں جذب ہونے سے ضرور بچ گئے۔ لیکن انھیں اس سیاسی و ملکی ہستی قائم رکھنے کے لئے اپنی قوت ایمانی بھی قیمت میں دینی پڑی۔ سرسید کے دل میں

اسلام کی محبت یقیناً تھی ۔ لیکن دماغ اس نتیجہ پر نہ پہونچ سکا کہ
ہدایت و اصلاح کی روشنی کا مخزن کتاب اللہ اور سنتِ رسول
ہیں نہ کہ غیروں کی تقلید اور اپنی عقل و قیاس"......
آگے چل کر فرماتے ہیں کہ سرسید کا منشا تھا کہ علیگڈھ والوں کے
سر پر لا الہ الا اللہ کا تاج ہو ۔" لیکن سر پر وہ مبارک تاج تو یقیناً
نہیں نظر آتا ہے بلکہ کوئی ایسی ٹوپی نظر آتی ہے جس پر شاید" یونین
جیک" (برطانوی حکومت کے علم) کی تصویر بنی ہوئی ہے"
آخر میں ارشاد ہے "تعلیم اسلام کے لئے ہے ۔ اسلام تعلیم کے لئے
نہیں ۔ ہم سب کا مقصد مسلمان بننا ہونا چاہیئے ۔ تعلیم محض اس کا ایک
ذریعہ و آلہ ہے نہ یہ کہ تعلیم ہمارا مقصد قرار پائے اور ہم اپنے ایمان
تک کو اس مقصد پر قربان کر دینے کو آمادہ ہو جائیں ۔" (خطوط میرے
کھینچے ہوئے ہیں)۔
جن فقرات پر خط کھینچے گئے ہیں ان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ علیگڈھ
والوں کی قوت ایمانی جاتی رہی ۔ کتاب اللہ و سنت رسول کو انہوں
نے چھوڑ دیا ۔ ان کے سر پر سے لا الہ الا اللہ کا تاج اتر گیا اور وہ تعلیم
کے لئے اپنے ایمان تک کو قربان کرنے کے لئے آمادہ ہوتے ہوئے
معلوم ہوتے ہیں ۔ اگر میرا خیال صحیح ہے تو براہِ نوازش جناب مولانا صاحب
ممدوح بتائیں کہ علیگڈھ والوں میں کیا قوت ایمانی جاتی رہی اور کلمہ
طیبہ کا تاج ان کے سر سے کیا اتر گیا اور کتاب اللہ اور سنتِ
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے کیا چھوڑا ۔ علاوہ علیگڈھ
تحریک کے ملک میں تین اور ہستم بالشان اسلامی تحریکیں موجود ہیں ۔

دیوبند تحریک - اہلِ حدیث تحریک اور احمدی تحریک - براہ نوازش مولانا صاحب فرمائیں کہ ان تحریکوں میں سے کس تحریک میں علیگڈھ والے اپنے آپ کو مدغم کردیں اور باقی کن کن کی تکفیر کرنے لگیں اور پبلک جلسے کرکے اور رسالہ بازی کے ذریعہ سے ایک طوفانِ عظیم برپا کردیں - جو جو فتوے آج تک علیگڈہ والوں نے (اور اس میں وہ سب شامل ہیں جو علیگڈھ تحریک کے مقلد ہیں) کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ کے خلاف اپنے قیاس پر جاری کئے ہوں - براہ نوازش مولانا صاحب موصوف انکا حوالہ دیں -

۲- واقعہ یہ ہے کہ علیگڈھ تحریک نے جو اسلام آنکھ کھول کر دیکھا یعنے جو اسلام اس سے قبل ملک میں رائج تھا وہ کچھ اس عنوان کا تھا کہ علماء میں فرقہ بندی اور ایک دوسرے کی تکفیر کا بازار گرم تھا - مشائخ کبار نے بدعات کو مشغلہ بنالیا تھا - امراء عیش وعشرت میں مبتلا تھے - مگر سب کے سب یعنے ہر فرقہ ایک نیم ریاکارانہ احترام اسلام میں سرگرم دکھائی دیتا تھا - اور بغیر مطلب سمجھے ہوئے قرآن شریف پڑھنا اور اور مشین کی طرح بغیر اس کی اہمیت کو سمجھے ہوئے اور اس سے اخلاقی اور روحانی فائدہ اٹھاتے ہوئے نماز روزہ کرنا اپنا شعار گردانتا تھا - علیگڈھ تحریک صحیح معنوں میں .... Intellectual and Cultural یعنے ذہنی اور تہذیبی تحریک تھی - اگرچہ جس وقت وہ شروع ہوئی اس کے

سامنے کوئی ایسی دوسری تحریک موجود ہوتی جو خواہ ذہنی اور تہذیبی نہ ہوتی مگر مولانا صاحب موصوف کے مفہوم کے موافق صحیح اسلامی تحریک ہوتی اور اس حالت میں علیگڈھ تحریک اس کی تقلید نہ کرتی تو واقعی مجرم قرار دیجا سکتی تھی مگر جب کوئی ایسی تحریک نہ اُسوقت موجود تھی نہ اب دکھائی دیتی ہے تو نیک نیت معترض کا اعتراض زیادہ سے زیادہ یہہ ہوسکتا ہے کہ علیگڈھ تحریک پر لازم تھا کہ وہ سب تحریکوں سے بڑھ چڑھ کر صحیح اسلامی تحریک بھی بنتی اور مزید برآں ذہنی اور تہذیبی تحریک بھی بنتی۔ اس کا جوابِ الزامی تو یہہ ہے کہ دیگر تحریکات سے کیوں نہیں فرماتے کہ آپ علیگڈھ تحریک کی طرح ذہنی اور تہذیبی اجزاء بھی اپنے میں شامل فرمائیے۔ اور اصلی جواب حسبِ ذیل ہے:۔

"بحیثیت اس کے کہ مجھے تبلیغِ اسلام سے لگاؤ ہے۔ اور ہندوستان کے علاوہ ہندوستان سے باہر بھی قدرے قلیل اس نیک کام کو انجام دیا ہے۔ میں معذور تصور کیا جاؤں اگر میں پہلے مفہوم اسلام اور نظامِ اسلام کے متعلق بطور تمہید کے کچھہ عرض کروں۔ اسلام عرب میں پیدا ہوا۔ قرآن شریف عربی زبان میں نازل ہوا۔ احادیث عربی میں ہیں۔ علاوہ عقائدِ مذہبی کے جو بطور اقلِ قلیل ہمیشہ کے لئے اور ہر ملک کے لئے بلا تغیر و تبدل کے ناطق رہیں گے۔ عام تعلیم مروجہ میں بہت سی تمدنی۔ معاشرتی اور علمی باتوں ملک عرب۔ زبانِ عرب۔

رواجِ عرب اور خیالِ عرب کی آمیزش موجود ہے۔ اسلام جب ہندوستان میں آیا تو عجمی ہاتھوں نے صدیوں تک اس میں عجمی رنگ آمیزی کی۔ لکھوکھا باشندگانِ ہند جب دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تو بیشمار ہندی باتیں قدرتی طور پر اپنے ساتھ لائے اور علیگڈھ تحریک کے آغاز کے وقت ہندوستان میں نظامِ اسلام عربیت۔ عجمیت اور ہندیت کی معجونِ مرکب تھا۔ علیگڈھ تحریک اپنے ساتھ مغربیت لائی اور اس کو ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا۔ اب اس مغربیت نے جہاں جہاں مروّجہ اسلام کی عربیت۔ عجمیت اور ہندیت کی انفرادی یا مخلوط حیثیت پر حملہ کیا اور ان میں سے کسی کو یا سب کو کم کرکے اپنے لئے جگہ بنائی وہاں ان لوگوں کو جو عربیت۔ عجمیت اور ہندیت کے معجونِ مرکب کے عادی ہوگئے تھے اور اسی کو کُل اسلام سمجھنے لگے تھے گراں گذرا اور وہ مغربیت کو منافیِ اسلام سمجھنے لگے۔ مسلمانوں میں زوالِ سلطنت مغلیہ کے ساتھ ساتھ جہالت ہٹ دھرمی اور ہمچو من دیگرے نیست کا زہریلا اثر پھیل ہی گیا تھا۔ جب عام طور پر وہ مغربیت کو منافیِ اسلام سمجھنے لگے تو اختلافِ رائے سے گذر کر مخالفت کو بھی جائز سمجھنے لگے۔ اور سرسید صاحب اور ان کے مقلدوں کو لوگوں نے کیا کیا برا نہ کہا مگر اَلحَقُّ یَعلُوْ وَلَا یُعْلٰی۔ علیگڈھ تحریک اپنی حقیقی خوبیوں کی وجہ سے باوجود ہر چہار طرف کی مخالفت کے ایسی پھولی پھلی کہ اب اس کو مسلمانانِ ہندوستان کی دنیوی نجات کا علمبردار کہنا

بیجا نہ ہوگا۔ خوش قسمتی سے رفتہ رفتہ مخالفتیں بھی دب گئیں اور نئی روشنی والوں سے توحش کی باتیں بھی کم ہوگئیں۔ اور توی امید تھی کہ آئندہ کا راستہ صاف اور ہموار رہیگا کہ ہماری بدنصیبی سے سیاسیات کا نیا دور شروع ہوا اور خود نئی روشنی والوں میں پھوٹ پڑی۔ ان میں کی ایک پارٹی علیگڈھ یونیورسٹی کو حکومت کے اثر سے سبکدوش کرنا چاہتی تھی مگر دوسری پارٹی نے جسے اب قدامت پسند کہنا چاہیئے اپنے رویّہ کو نہ بدلا۔ یہہ نقیض ابتک چلا جاتا ہے اور جناب مولانا عبد الماجد صاحب کے مضمون میں اس کے تفصیلی اسباب کی طرف کافی اشارہ موجود ہے۔ تعجب تو اس بات کا ہے کہ برادران وطن کی بنارس یونیورسٹی کو بھی ایسے ہی وجوہ سے درہم برہم کرنے کی کوشش جب ناکام رہی تو ان کی دو پارٹیوں میں وہ اختلاف رونما نہ ہوا جو ہمارے ہاں ہوا ہے اور ابتک باقی ہے۔ ہم پر یہ آفت نازل ہے کہ ہم خلافت کمیٹی کے ہم نوا نہ بنیں تو کافر و مرتد اور جمعیت العلمار کی صدا کو لبیک نہ کہیں تو شقی ازلی۔ ہمارا ایمان صفر سمجھا جاتا ہے۔ ہمیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا تارک قرار دیا جاتا ہے۔ اور ہمارے واسطے مغرب کی تقلید دوزخ کے ٹکٹ کی مرادف سمجھی جاتی ہے۔ ایک گوشت خوار دماغ بر آتش قوم سے اس سے زیادہ کی کیا توقع ہوسکتی ہے۔ ہم ببانگ دہل کہنا چاہتے ہیں کہ ہمیں ایک طرف سرسید کے مقرر کردہ مغربیت کی ضرورت ہے اور دوسری طرف برادران وطن کی تقلید کی۔ اس کی تفصیل ہمارے

رسالہ احیاءِ ملت میں موجود ہے۔ سوال اسقدر باقی رہتا ہے کہ ہم علمبرداران نجات دنیوی یعنی پیروانِ تحریکِ علیگڈھ کو کس قدر پابندئ مذہب لازم ہے۔ جو لوگ ہم سے توقع کرتے ہیں کہ بطور شعار قومی کے ہم صوفی صاحبان کی طرح اہل حال وقال ہو جائیں انکو ہم سے مایوس رہنا چاہیئے۔ اسی طرح جو لوگ علماء کیسی بہر تفصیل ہیں پابندی مذہب ہم میں ڈھونڈھتے ہیں وہ بھی حد سے متجاوز ہیں۔ ہماری نجات اخروی بیمہ شدہ ہے۔ اگر ہم اسلام کے اقل قلیل کے دل و جان سے والہ و شیدا ہوں۔ وہ اقلِ قلیل کیا ہے اس کو ہمنے تفصیل کے ساتھ حال ہی میں ایک علیحدہ رسالہ میں شائع کیا ہے۔ اسوقت نہایت ادب کے ساتھ ہم جناب مولانا عبد الماجد صاحب مدظلہٗ اور ان کے ہمخیال بزرگوں سے عرض کرتے ہیں کہ ہم مسلمان پہلے ہی کافی طور پر بدنام ہیں۔ آپ حضرات سب و شتم کا نیا دروازہ کھول کر ہماری بدنامی کو دوبالا نہ کریں ؎

۳۔ اب سنئے کہ میری عاجزانہ عرض معروض کا اصل مطلب یہ ہے کہ :-

(ا) ہم تعلیمیافتہ مسلمان اپنے خصائل (کیرکٹر) کو اس قدر حقیقی اسلام کا مظہر بنائیں کہ تعلیمیافتہ مہذب دنیا صرف ہمارے چال وچلن ہی سے متاثر ہوکر اسلامی اصول کو اپنی عملی زندگی میں داخل کرے اور حقیقی انسانیت سے فائدہ اٹھائے۔ خواہ کھُلم کھُلا اسلام قبول نہ کرے۔

(ب) ہم مسلمان بحیثیت مسلمان یعنے مہذب انسان ہونے کے ایک مقتدر آزاد اور ذمہ دار جماعت ہیں۔ ہم کو زیبا نہیں ہے کہ ہم کسی دوسرے کی تقلید کریں بلکہ حسب ضرورت دوسروں کے تجربہ سے فائدہ اٹھاکر اپنا نصب العین خود مقرر کرلیں

دونوں کو ملا لیجئے تو یہ نتیجہ نکلیگا کہ ہم مسلمان اپنی آزاد مگر ذمہ دارانہ روش اور اسلامی کیرکٹر کے ذریعہ سے پھر ابھریں اور دنیا کو دکھادیں کہ اسلام میں اپنی خلقی حیات پروری ابھی باقی ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ رہیگی +

قاری صاحب کی دیگر تالیفات

انگریزی میں

اسلام۔ قاری صاحب کی اُن متصوفانہ مضامین کا مجموعہ جو امریکہ میں شائع ہوئے تھے اور جن کے ہندوستان میں متعدد ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ خوبصورت جلد۔ قیمت عہ

اردو میں

احیاءِ ملت۔ اس میں قاری صاحب موصوف نے مسلمانوں کی اصلاح معاملات اور عام بہبودی کے متعلق اس قسم کے مجتہدانہ اور مخلصانہ خیالات ظاہر کئے ہیں جو اس وقت تک کسی نے ظاہر نہیں کئے تھے اس میں بتایا گیا ہے کہ مسلمانانِ ہندوستان کو اپنی اصلاح کے لئے کیا خاص کوششیں کرنی چاہئیں تاکہ وہ برادرانِ وطن کے ساتھ ترقی کر سکیں اور ہندوستان میں باعزت زندگی بسر کر سکیں۔ قیمت ۸ر

انیس الغربا۔ قاری صاحب کی ایک کار آمد تصنیف ہے اس میں غریب مسلمانوں کی بہتری اور بہبودی پر قلم فرسائی کی گئی ہے اور مفلسی کے دور کرنے کی ہدایات درج ہیں۔ قیمت ۸ر

اتفاقِ اسلام۔ اسلام کے مختلف فرقوں میں اتحاد پیدا کرنے کی نہایت ضروری اور مفید تجاویز۔ قیمت ۲ر

فغانِ قاری۔ فضیلتِ اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے متعلق خاص خیالات۔ قیمت ۴ر

طوائف کی

پُر اسرار زندگی کے متعلق مفید معلومات بہم پہنچانے والے عجیب و غریب ناول

جو قاری صاحب نے برسوں کی محنت شاقہ اور تحقیق حالات کے بعد تصنیف کئے ہیں اور جنہیں ملک کے ایک اہم سوشیل مرض کے علاج کی طرف بلا خوف لومۃ لائم رجوع کیا ہے ان ناولوں کو غور کے ساتھ پڑھنے سے بیسیوں ایسی نئی باتیں معلوم ہونگی جن کو خیال میں رکھنے سے ہزاروں نوجوان راہِ راست پر آ سکتے ہیں اور طوائف بھی اپنی پست حالت سے نکل سکتی ہیں ع

چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار

(۱) **سعید**۔ اس میں ایک تعلیمیافتہ نوجوان مسلمان اور ایک پاتر کے جذباتِ دلی کا خاکہ کھینچا گیا ہے حسن و عشق کے معاملات پر نہایت پر لطف بحث کی گئی ہے اور انجام اخلاقی طور پر ظاہر کیا گیا ہے۔ قیمت ۸ر

(۲) **سعادت**۔ اس میں دہلی کی ایک تعلیمیافتہ۔ سلیقہ مند۔ خوبصورت طوائف کے حالات پر

روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیرنگ حسن و عشق، وصال و فراق پر ایک کا دلچسپ نقشہ کھینچا گیا ہی عاشق و معشوق کی پرلطف خط و کتابت ہے۔ انجام کار دونوں کو راہ راست نصیب ہوتی ہی۔ قیمت ۸ ۔

(۳) شاہدِ رعنا۔ اس میں دہلی کی ایک ڈیرہ دار طوائف کی "خود نوشت" سوانحمری ہی۔ یہ ناول اپنا آپ ہی نظیر ہے۔ آجتک ملک میں اس مضمون پر اس سے بہتر ناول تصنیف نہیں کیا گیا۔ ایک فرسٹ کلاس طوائف کی قسمتی سے لیکر بڑھاپے تک کی لائف نہایت سنجیدگی کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ زبان کی سلاست خاص طور پر قابل داد ہے۔ قیمت ۱۲

(۴) سزائے عیش۔ سزائے عیش قریب قریب ٹریجیڈی کے ہے مگر انجام اسقدر اچھا ہوا ہے کہ کامیڈی سے بھی بڑھ گیا ہے۔ مصنف کا زورِ قلم اس میں قابل ستائش ہے۔ فلسفہ حسن و عشق و تفریحات عامہ پر بحثیں کی گئی ہیں مگر دلچسپ پیرایہ اور عام فہم زبان میں۔ مزید برآں ایک عجیب نقشہ دیا گیا ہی جس میں ایک شریف گھر اور ایک طوائف کے کوٹھے کا دن رات کا تمام ٹیبل درج ہے۔ قیمت ۱۰

(۵) انجامِ عیش۔ اس ناول میں پاکیزہ زندگی اور مروجہ بدکاری اور آوارگی کی زندگی کے مختلف پہلو اس خوبصورتی اور ایسی تحقیق و تدقیق کے ساتھ دکھائے گئے ہیں کہ نوجوانوں کو اس سے بہتر سبق آموز کتاب ملنی دشوار ہے۔ قیمت ۱۱

(۶) سرابِ عیش۔ اس میں طوائف سے نکاح کر کے ان کو بہو بیٹیوں میں لا کر ملانے کے نتائج پر دلچسپ پیرایہ میں روشنی ڈالی گئی ہے اور تحقیق و تدقیق کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ جو جو اصلاحیں ملکی یا میونسپل قوانین کے ذریعہ سے ممکن ہیں انکی صراحت کی گئی ہے۔ ایک بڈھی نائکہ کے حالات کا پورا خاکہ کھینچا گیا ہے۔ قیمت ۱۰

---

(۱) لطفِ زندگی۔ قاری صاحب کے سحر نگار قلم کا ایک مختصر دلچسپ قصہ قیمت ۲

(۲) دل کا عجائب خانہ۔ مختلف طبقوں کے دلی جذبات کا مرقع قیمت ۳

(۳) ادبستان۔ مہذب ظریفانہ مضامین کا دلچسپ مجموعہ۔ قیمت ۱۲

ملنے کا پتہ

تمدن بک ایجنسی۔ مٹیا محل دہلی